



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مثلث رمضان (۱)

## احوال واقعی (از جامع)

حضرت مدظلہ نے اس مجموعی وعظ کے تین جزو قرار دیے ہیں اور ہر ایک کا نام جدا جدا تجویز فرمایا ہے۔ پہلا 'الریان من رمضان' (۱) دوسرا 'القرآن فی رمضان' (۲) تیسرا 'الیقظان فی رمضان' (۳) اور مجموعہ کا نام 'مثلث رمضان' تجویز فرمایا۔ اور جبہ تین جزو قرار دینے کی یہ ہوئی کہ حضرت والا کا قصد (د) یہ تھا کہ اس رمضان شریف میں چار جمعہ واقع ہوں گے اور چاروں میں چار مضامین علیحدہ علیحدہ بیان کر دیے جاویں گے۔ مگر اتفاق سے حضرت کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ حتیٰ کہ چند روز بھی قضا ہوئے اور ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ بیان پر قدرت ہونا مشکل تھی۔ چنانچہ دو جمعہ میں وعظ نہیں ہوا۔ اور تیسرے جمعہ میں وعظ فرمایا جس میں مختصر پہلا جمعوں کے بھی مضامین آگئے (یعنی جن مضامین کا پہلے دو جمعوں میں بیان کیا جاتا ہے)۔ چنانچہ ایک مضمون پہلے جمعہ کے متعلق ہے، اور ایک دوسرے کے اور ایک تیسرے کے اور حضرت نے گذشتہ دو جمعہ میں وعظ نہ ہونے کے عذر کا اظہار بھی شروع وعظ میں فرمایا اور چوتھے کے متعلق وعدہ کر لیا گیا جیسا کہ معلوم ہو جائیگا۔

(۱) رمضان کی تین شبائیں (۲) رمضان سے ترمذی (۳) رمضان میں تلاوت قرآن (۴) رمضان میں شب

## مثلث رمضان

یہ وعظ حضرتؒ نے ۱۲۳۶ھ کے رمضان المبارک کے تیسرے جمعہ کو ارشاد فرمایا جو دو گھنٹے تک جاری رہا۔ ناساز طبع کی بناء پر بیان میں اختصار رہا۔ بایں ہمہ جملہ ضروری مضامین ارشاد فرمائے۔ حکیم محمد یوسف بجنوری مرحوم نے قلمبند فرمایا۔

## خطبہ ماثورہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواہ الشیخان عن  
سہیل بن سعد ان اللحنۃ ثمانیۃ ابواب منها باب یرسمی باب  
الریان لا یدخلہ الا الحسنون

تمہید

یہ ایک حدیث ہے جس کو شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم نے سہیل بن  
سعد صحابی سے روایت کیا ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت  
کے آٹھ دروازے ہیں جس میں سے ایک دروازہ کا نام باب الریان ہے، سوائے  
روزہ داروں کے اور کوئی اس میں داخل نہ ہوگا۔

یہ تو ترجمہ ہے اس حدیث کا، میرا مقصد بعض فضائل رمضان شریف کا بیان  
کرنے کا ہے۔ اور یہ مضمون مجملہ چند مضامین و تہیہ کے ایک مضمون ہے۔ پہلے سے یہ  
خیال تھا کہ اس ماہ کے چار جمعہ ہوں گے اور ہر جمعہ میں ایک ایک مضمون ان مضامین  
میں سے بیان کر دیا جائیگا۔ مگر اسباب ایسے ہو گئے کہ میں اس سے پہلے جمعوں میں  
بیان پر قادر نہیں تھا چنانچہ اب تک ضعف باقی ہے، اس لئے آج ایک ضروری مضمون  
بیان کر دیا جائیگا، جس میں مختصر پہلے جمعوں کے مضامین بھی آجائیں گے اور اخیر جمعہ  
باقی ہے چوتھا مضمون بشرط خیریت انشاء اللہ اسمیں بیان کر دیا جاوے گا۔

اگر سب جمعوں میں قدرت ہوتی تو آج کے حصہ میں تیسرا مضمون آتا  
اتفاقی بات ہے کہ ایک بھی بیان نہیں ہو۔ اور یہ غیر اختیاری امر تھا، اب بھی پوری

قدرت نہیں۔ مگر میں نے خیال کیا کہ اگر زیادہ بیان نہ ہوگا تو تھوڑا ہی سہی، اس کے قبل تو اتنی بھی قدرت نہ تھی، وہ چاروں مضمون ضروری اور قابل تفصیل تھے، اگر عوارض (۱) پیش نہ آتے تو بالاستقلال (۲) ایک ایک جمعہ میں ان کا بیان ہوتا، اب اگر تینوں مضمون مفصلاً آج ہی بیان ہوں تو اس کے لئے وقت بہت چاہئے۔ اس واسطے قصد یہ ہے کہ تینوں کا مختصر اُبیان کر دیا جائے۔ اور زیادہ وقت تو اکثر توابع (۳) میں صرف ہوتا ہے اصل مضمون طویل نہیں ہوتا، اسلئے توابع کا حذف کرنا مناسب معلوم ہوا۔ ضروری افادہ پر نظر کر کے آج تینوں کا بیان مختصر کر دیا جائے گا۔

### باب الریان

ہو ایک تقریر کا مضمون تو حدیث سے شروع کر دیا ہے جس کا پھر ترجمہ کرتا ہوں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام "باب الریان" (۴) ہے۔ سوائے روزہ داروں کے اس میں سے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ یہ حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے رکھے ہیں اور جہنم کے سات۔ لوگ اس کی حکمت سے سبقت رحمتی علیٰ شخصسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غضب پر سبقت لے گئی۔ اس لئے جنت کے دروازوں کی تعداد جہنم (۵) سے زیادہ ہے۔ گویا اجازت دی کہ اگر کثرت سے داخل ہونے والے ہوں تو آسانی سے داخل ہو سکیں کیونکہ تعداد دروازوں کی زیادہ ہے۔ اور اس میں ترغیب بھی ہے کہ جنت میں زیادہ جانیوالے ہونے چاہئیں اور جہنم میں جانیوالے کم ہوں اور کوشش کرنی چاہئے کہ اس

(۱) اگر بیانی کے مواعظ پیش نہ آتے (۲) مستقل طور پر (۳) اصل مضمون کے ذیل میں جو مضامین بیان کئے

جاتے ہیں (۴) تہ دروازہ (۵) دوزخ

میں نہ جائیں، گو وقوع اس کے خلاف ہے یعنی جنت میں کم جائیں گے اور جہنم میں زیادہ اور یہ لوگوں کی سوتدبیر (۱) کی وجہ سے ہے ورنہ ان کے کرم میں کمی نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دروازے اس مکان میں زیادہ رکھے جاتے ہیں جس میں وسعت ہو (۱) اس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں وسعت زیادہ ہے اگرچہ سوتدبیر کی وجہ سے جہنم (۲) والوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور جہنم بھی کوئی چھوٹی سی چیز نہیں گو جنت سے وسعت میں کم ہو، چنانچہ جہنم کی وسعت اس سے ثابت ہے کہ باوجود اس کے کہ جہنم میں جہنمی کثرت سے داخل ہو چکیں گے پھر بھی پکارے گی ”بسل من سزید“ کہ ”اور ہوتو دے دے“ جیسے بھوکے سے دریافت کرتے ہیں کہ اور کچھ چاہتے؟ تو وہ کہتے ہے ”اور ہوتو دے دے“ اور یہی حال جنت کا ہوگا۔ مگر اللہ میاں اتنے رحیم و کریم ہیں کہ دوزخ کو تو اپنے حکم سے شکم سیر (۳) کر دیں گے، کسی کو بلا عمل (۴) داخل نہ کریں گے۔ اور جنت کیلئے ایک نئی مخلوق پیدا کریں گے جن کو بلا عمل محض اپنے فضل سے جنت مرحمت (۵) فرمائیں گے۔ غرض اس کو اتنی وسعت اسلئے دے دی ہے کہ اس کے دروازوں کی تعداد جہنم سے زیادہ رکھی ہے۔ اور جہنم کے بھرنے کیلئے نئی مخلوق پیدا نہیں ہوگی، بلکہ اسی کے (۶) اجزاء کو سمیٹ کر تنگ کر دیں گے۔ ورنہ حاکمیت کا مقتضا، تو یہ تھا کہ اگر اہل جنت کو دوزخ میں داخل فرمادیتے تو کسی کو بھی چون و چرا کی گنجائش نہ تھی۔

ہست سلطانی مسلم مرد را نیست کس را ز ہرہ چون و چرا (۸)

(۱) تدبیر (۲) گنجائش زیادہ (۳) اگرچہ تدبیر کی وجہ سے دوزخ والوں کی تعداد زیادہ ہوگی (۴) بیعت بجز میں سے (۵) نئی مخلوق (۶) سمیٹ کر (۷) دوزخ کے اجزاء کو سمیٹ کر (۸) ہاں تاہم صرف اس ہی کے لئے سلطنت ہے۔ کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔

مگر وہ صرف حاکمیت سے کام نہیں لیتے بلکہ حکمت سے کام لیتے ہیں، چنانچہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اس میں حکمت ہی ہوتی ہے گو ہمیں معلوم نہ ہو۔ پھر ایک طریقہ تو دوزخ کے پُر کرنے کا یہ تھا کہ اہل جنت کو دوزخ میں بھیجتے اور ان کو معذب (۱) فرماتے۔ اور دوسرا یہ تھا کہ ان کو دوزخ میں بھیجتے اور معذب (۲) نہ فرماتے وہ اس پر بھی قادر ہیں۔

### حقیقی انعام

اور ایسا واقع بھی ہے کہ کوئی دوزخ میں ہو اور معذب نہ (۳) ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے الزائدة والمؤودة کلتا بہما فی النار کہ زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی گئی دونوں آگ میں ہیں۔ ہندوستان میں بھی لڑکیوں کے مارنے کی عادت تھی مگر سلطنت نے اس کا انتظام کر دیا۔ عرب میں یہاں سے زیادہ آفت تھی کہ لڑکی کو زندہ درگور (۴) کر دیتے تھے کہ وہ خود ہی گھٹ کر مر جاتی تھی۔ یہاں تو مار کر دفن کر دیتے تھے۔ مگر عرب کا طریقہ یہاں سے اشد تھا شاید اس صورت سے مارنے میں عرب کا یہ خیال ہو کہ مارنے کے فعل کو اپنے ذمہ کیوں رکھیں؟ یا معلوم نہیں کہ عرب کے نزدیک اس کا کوئی اور اختراعی سبب (۵) تھا۔ غرض کہ یہ رواج تھا اور یہ حدیث اس کے متعلق ہے الزوائد والمؤودة کلتا بہما فی النار اس میں ظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بچی نے کیا خطا کی ہے جس کی وجہ سے وہ دوزخ میں ڈالی گئی علماء نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

(۱) مذاب بنی دینے (۲) دوزخ میں تو بھیجتے لیکن مذاب نہ ہو (۳) اور حقیقت میں ایسا ہے بھی کہ دوزخ میں ہو مگر بھی مذاب نہ ہو

(۴) زندہ درگور میں دفن کر دیتے تھے (۵) کا کوئی اور سبب نظر رکھا ہو

سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ بچی دوزخ میں تو ہوگی مگر معذب نہ ہوگی جیسے جہنم میں فرشتے بھی ہوں گے مگر معذب نہ ہوں گے۔ چنانچہ خزنہ جہنم (۱) دوزخ ہی میں ہونگے مگر وہاں بھی ویسے ہی مقرب ہیں جیسے جنت کے فرشتے جنت میں۔ کیونکہ اصل انعام تو بندہ پر یہ ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی معیت (۲) نصیب ہو، خواہ دوزخ میں ہو یا جنت میں۔ اگر دوزخ میں معیت ہے تو پھر تکلیف کا کیا ذکر ہے وہی جنت ہے اور اگر جنت میں معیت نہ ہوتی وہ دوزخ سے بدتر ہوتی۔

باتو دوزخ جنت است اے جان فزا

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا (۳)

خزنہ جہنم کے ساتھ خدا تعالیٰ کی معیت ہوگی اسلئے وہ فرشتے آرام ہی میں ہوں گے۔

حقیقت تغذیب (۴)

اس کی واضح مثال دنیا میں موجود ہے دیکھئے جیل خانہ میں ایک تو مجرم ہوتے ہیں اور ایک وہ جو وہاں ملازم ہیں۔ مجرمین کو تکلیف ہوتی ہے کہ ایک ایک دن کا نانا مشکل ہوتا ہے اور ملازمین جیسے اور جگہ خوش ہیں اسی طرح وہاں بھی۔ جبہ یہی ہے کہ مجرمین کے ساتھ حکومت کی معیت نہیں ہوتی بلکہ عتاب (۵) متعلق ہوتا ہے اور ملازمین کے ساتھ معیت (۶) ہوتی ہے۔

البتہ ایک شبہ یہاں یہ واقع ہوتا ہے کہ پھر موؤدہ (۷) کو جہنم میں رکھنے سے فائدہ کیا؟ جبکہ وہ معذب (۸) نہیں۔ کیا اس کیلئے جہنم میں ٹھکانا تھا جواب یہ ہے کہ اول

(۱) جہنم کے فرشتے (۲) ساتھ (۳) اے میری جان میرا ساتھ ہو تو دوزخ بھی جنت ہے اے دلربا میرے بغیر تو جنت بھی دوزخ ہے

(۴) نذاب کی حقیقت (۵) نذاب (۶) حمایت (۷) جس کو زمین میں زندہ دفن کیا گیا ہو (۸) جبکہ اس کو نذاب ہی نہیں۔



تو ہمیں مصلحت دریافت کرنیکی مجال نہیں۔ خیر میں مصلحت بھی بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ بچی جس کو زندہ درگور کیا تھا وہ ماں کے پیش نظر رہے اس سے ماں کیلئے زیادتی عذاب کی مقصود ہے۔ کہ اس کو دیکھ دیکھ کر اپنا فعل یاد کر کے خوب کڑھے اور رنج ہو، کہ ہائے میں کیسی سٹدل تھی کہ میں نے اپنی بیٹی کیساتھ یہ حرکت کی جس کی وجہ سے آج عذاب بھگت رہی ہوں۔ نیز ممکن ہے کہ اس پر حقیقت بھی منکشف (۱) نہ ہو اور وہ یہی سمجھتی رہے کہ میری بچی پر بھی عذاب ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہ معذب نہیں اور حقیقت منکشف نہ ہونے سے اس کی حسرت اور رنج اور زیادہ ہو جاوے جو کہ باعث زیادتی عذاب کا ہے۔ اور یہ ضرور نہیں کہ وہاں سب ہی کو ایسا انکشاف عام ہو جاوے کہ کوئی چیز نپٹی (۱) ہی نہ رہے۔ ہاں دنیا سے زیادہ وہاں انکشاف ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ ممکنات (۲) کے علوم متناہی ہیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ بعض علوم مخفی بھی ہوں بس ماں یہ سمجھے گی کہ مجھ پر عذاب ہے اور میری وجہ سے بچی پر بھی عذاب ہے۔ اس سے عذاب میں زیادتی ہوگی اور اولاد سے تعلق فطری ہے وہاں بھی یہ تعلق بالکل یہ منقطع نہ ہوگا کیونکہ فطریات عادیہ بدلائیں کرتیں۔ تو جب ماں یہ سمجھے گی کہ میری وجہ سے یہ بھی عذاب میں ہے اس سے اسکی کلفت بڑھے گی اگر اس محل پر حدیث کو محمول کر لیا جاوے تو کیا قباحت ہے۔

### تعذیب شمس و قمر

اس سے بھی واضح و اقرب الی الفہم ایک اور نظیر (۳) ہے وہ یہ کہ حدیث

(۱) حقیقت بھی نہ واضح ہو (۲) یہ ضروری نہیں کہ سب کو سب باتیں معلوم ہی ہو جائیں اور کوئی بات پوشیدہ نہ رہے (۳) کوئی علم

(۴) اس سے زیادہ واضح اور بھروسے کے زیادہ قریب ایک اور مثال ہے

میں ہے الشمس و القمر مکور ان فی النار یوم القیمة کہ آفتاب اور چاند بے نور کر کے جہنم میں ڈالے جاویں گے۔ یہاں بھی وہی شبہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کیا خطا کی ہے جس کی وجہ سے جہنم میں ہوں گے۔ جواب یہ ہے کہ خطا کی تحقیق کی ضرورت اس وقت ہے جبکہ وہ معذب (۱) بھی ہوں۔ سو وہ معذب نہ ہوں گے اور ان کو دوزخ میں ڈالنے سے مشرکین کو دکھانا ہوگا کہ یہ خود کو تو دوزخ سے بچا ہی نہ سکے تم کو کیا بچا سکتے ہیں۔ اس کو اقرب (۲) اس لئے کہا گیا ہے۔ ذی روح کا معذب ہونا اتنا مستبعد نہیں جتنا غیر ذی روح کا معذب (۳) ہونا (اس موقع پر ذی روح (۴) و لڑکی ہے جس کو زندہ درگور (۵) کیا تھا اور غیر ذی روح شمس و قمر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکی معذب تو نہ ہوگی مگر اس کا معذب ہونا اتنا بعید نہ تھا جتنا کہ شمس و قمر کا معذب ہونا بعید ہے۔ کیونکہ لڑکی ذی حیات (۶) ہے اور ذی حیات کو عادتاً تکلیف ہونا بعید نہیں اور شمس و قمر غیر ذی حیات (۷) ہیں اور غیر ذی روح کو عادتاً تعذیب نہیں ہوتی۔ چنانچہ لکڑیوں کو آگ میں جلاتے ہیں مگر بوجہ غیر ذی روح ہونے کے اس کو تکلیف ہونا مستبعد (۸) ہے۔ بخلاف اس کے کہ کسی جاندار کو آگ میں ڈال دیں کہ اس کو تکلیف ہونا کچھ بھی بعید نہیں۔ اگرچہ حق تعالیٰ کو اس پر بھی قدرت ہے کہ غیر ذی روح کو بھی معذب فرمادیں۔ پس شمس و قمر ہوں گے تو وہ دوزخ میں مگر معذب نہ ہوں گے کیونکہ ذی روح نہیں۔ اور اسی لئے مکلف نہیں بلکہ بعض ذی روح بھی مکلف نہیں جیسے حیوانات و بہائم۔ بلکہ بعض ذوی العقول (۹) بھی بواسطہ انبیاء کے مکلف نہیں یعنی

(۱) جبکہ من کو ذاب بھی ہے (۲) زیادہ قریب (۳) کسی روح الے کا ذاب میں جلا ہونا اتنا بعید نہیں جتنا کہ غیر روح والی چیز کا ذاب  
ذاب ہے (۴) ذی روح والی (۵) بے روح (۶) لڑکی میں زندگی ہے (۷) حیات نہیں (۸) بیدار مثل (۹) صاحب مثل

ان کی طرف انبیا کی بعثت نہیں ہوئی۔ گو بعض اہل لطائف (۱) اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ مائیکہ بھی اس طرح مکلف ہیں کہ انبیا علیہم السلام کی بعثت ان کی طرف بھی ہے۔ بلکہ بعض نے یہ بھی کہا کہ بعض جمادات کی طرف بھی ہے اور وہ بھی مکلف ہیں اور بعثت الہی کافۃ الخلق (۲) سے استدلال کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ ایک لطیفہ ہے اور اگر اس کو مان بھی لیا جاوے تو کہا جاوے گا کہ یہ مکلف تو ہیں مگر ان چیزوں سے عصیان (۳) کا ظہور نہیں ہوا اس لئے معذب نہ ہوں گے۔ چنانچہ کلام اللہ سے ان کا مطیع ہونا ثابت ہوتا ہے "الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات و من فی الارض والشمس والقمر والجبال والشمجر والدواب و کثیر من الناس" (۴)

اگر ان سے عصیان ہوتا ہوجہ اس کے کہ اس قول میں انکی طرف بھی بعثت ہے اور یہ مکلف ہیں اس لیے ضرور تھا کہ یہ معذب بھی ہوں مگر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عصیان نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے "سموات" و "ارض" و "شمس" و "قمر" و "دواب" سب کے متعلق بلا استثناء "یسجد لہ" (۵) فرمایا ہے اور "ناس" کے لئے "کثیر" کی قید بڑھائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "ناس" میں تو بعض مطیع اور بعض عاصی (۶) ہیں مگر اور مخلوقات میں سب مطیع (۷) ہیں۔ اور آیت میں "ناس" (۸) سے مراد انس و جن (۹)

(۱) سو فیہا (۲) ہمارے نبی نے فرمایا کہ میں تمام مخلوقات کی طرف سبوت کیا گیا ہوں (۳) گناہ (۴) سورۃ الحج آیت ۱۸ سے مخاطب کیا تھا کہ یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی (۵) اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین و سورج و چاند اور چوپایوں سب کیلئے بغیر استثناء فرمایا کہ وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں (۶) لوگوں میں تو بعض فرمانبردار ہیں اور بعض نافرمان ہیں (۷) فرمانبردار (۸) لوگ (۹) انسان اور جنات

دونوں میں کیونکہ ”ناس“ کا ترجمہ ہے لوگ، جن کو بھی ”ناس“ کہتے ہیں۔ مگر ایک طالب علم تھے وہ جانوروں کو بھی لوگ کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کہنے لگے کہ بندر لوگ بڑے شریر ہیں۔ مگر محاورہ میں لوگ صرف انس و جن کو کہتے ہیں۔ غرض انس و جن میں تو دو قسمیں ہیں بعض فرمانبردار بعض نافرمان۔ اور جو ان کے سوا ہیں وہ سب فرمانبردار ہیں۔ لہذا اٹمس ہر کا غیر معذب ہونا واضح ہو گیا اس کے خلاف کا احتمال ہی نہیں۔ گو طالب علمی کے زمانہ میں ایک شخص مجھ سے جھگڑ رہے تھے کہ یہ معذب (۱) ہوں گے، اور سبب یہ بتاتے تھے جو چیزیں سبب معصیت ہوئی ہیں وہ بھی معذب ہونی چاہئیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ سبب معصیت ہونا جو بالاختیار ہو وہ معذب ہونے کو مستلزم (۲) ہے، نہ وہ جو کہ سبب بلا اختیار ہو، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ سبب بلا اختیار معصیت (۳) نہیں ہے فقہاء اور صوفیہ ہی شریعت کو خوب سمجھنے والے ہیں۔ ان ہی دونوں گروہ نے شریعت کے اسرار (۴) کو خوب سمجھا ہے۔ گو بعض فقہاء اور صوفیہ میں لڑائی بھی رہی ہے، مگر جو حضرات جامع شریعت و طریقت ہوئے ہیں وہ کبھی نہیں لڑے۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ محقق وہ ہے جس میں تین وصف ہوں۔ فقیہ۔ ہو، محدث ہو، صوفی ہو، محققین میں لڑائی نہیں ہوئی ہاں غیر محققین میں ہوئی ہے۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (۵)

غرض فقہاء نے یہ مسئلہ سمجھا ہے کہ مطلق سبب بنا معصیت نہیں اس لئے جو

چیزیں بلا اختیار سبب معصیت ہوئی ہیں وہ معذب نہ ہوں گی۔ (۶)

(۱) گو بھی مذاب ہوگا (۲) اپنے اختیار سے جو کچھ کا سبب بنا ہے اس پر مذاب ہوگا اور جو بلا اختیار ہو اس پر نہیں ہوگا (۳) بلا اختیار کسی چیز کا سبب بن جائے نہیں (۴) اسرار (۵) جب حقیقت معلوم نہ ہوئی تو افسانے ماننے شروع کر دیے (۶) جو بلا اختیار نہ ہوگا سبب ہوئی ہیں ان پر مذاب نہ ہوگا

## صورۃ تعذیب

البتہ اس میں کلام ہے کہ شمس و قمر آیا اپنی جگہ رہ کر جہنم میں ہوں گے یا ان کو اپنی جگہ سے ہٹا کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جمہور کی رائے ہے کہ دونوں کو ہٹا کر جہنم میں ڈالا جاوے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم بھی بہت بڑی ہے اس لئے کہ یہ اجرام یعنی شمس و قمر (۱) کوئی چھوٹی سی چیز نہیں ہیں۔ شمس زمین سے ہزاروں حصہ بڑا ہے ایسے ہی قمر کو سمجھنا چاہئے۔ بائیں ہمہ (۲) مثل گولے کے جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔ مگر شیخ اکبر (۳) کا کشف ہے کہ شمس و قمر اپنی جگہ رہیں گے اور جہنم میں بھی ہوں گے اور اس طرح کہ جہنم کو ان کی مستقر (۴) تک بلکہ اس سے بھی آگے بسط (۵) دیا جاوے گا۔ یعنی جہنم کی آگ میں بسط ہوگا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسی ہانڈی (۱) ڈھکی ہوئی پک رہی ہو۔ اور پھر اس کو کھول دیا جاوے تو اس کی گرمی پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح جب جہنم کو کھول دیا جاوے گا تو اسکی حرارت پھیل جاوے گی جس سے سمندر و ہوا سب آگ بن جاوے گی حتیٰ کہ آسمان تک حرارت پہنچے گی جو آفتاب و قمر کو بھی محیط (۷) ہو جاوے گی اور آفتاب و قمر دونوں آسمان داخل ہوں گے۔ یہ صورت ہوگی شمس و قمر کے اپنی جگہ رہنے کی اور جہنم میں بھی ہونے کی۔ اور پھر جہنم کی آگ متجاوز ہو کر ساتویں آسمان کے مقعر (۸) تک پہنچے گی اور وہاں بہت ہی لطیف (۹) ہو جائے گی کہ اس کی لطافت میں لذت ہوگی اور

(۱) سورج اور چاند کے اجسام (۲) اس سب کے باوجود (۳) صورتوں میں ایک بہت بڑے بزرگ گنڈے ہیں (۴) ان کے نرمانے تک (۵) پھیلاؤ یا جائے گا (۶) قسطنطنیہ (۷) محیط (۸) ساتویں آسمان کی تہ تک (۹) لذت کی آگ پہنچ جائے گی (۱۰) بہت ہی لطیف ہو جائے گی

جنت کے میوے اسی لطیف گرمی سے پکیں گے۔ اور جنت ساتویں آسمان کے معذب (۱) پر ہوگی۔

اس کشف کی قرآن و حدیث نہ تائید ہی کرتا ہے اور نہ تکذیب ہی کرتا ہے، کشفیات میں ہم شیخ اکبرؒ کے تابع نہیں ہیں لیکن اگر کوئی اسکا قائل بھی ہو مگر جزا (۱۰) نہیں تو کچھ حرج بھی نہیں کیونکہ جیسے تائید نہیں ویسے تکذیب (۲) بھی نہیں۔ یہ فائدہ کے طور پر بیان کر دیا۔

بہر حال یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ لڑکی جہنم میں ہو اور معذب نہ ہو تو اس بنا پر ممکن تھا کہ اہل جنت دوزخ میں بھیج دیے جاتے اور معذب نہ ہوتے۔ مگر حق تعالیٰ کی رحمت کو دیکھئے یہ احادیث میں آتا ہے کہ جب جنت میں اہل جنت داخل ہو چکیں گے پھر اس میں جگہ باقی رہ جائے گی تو حق سبحانہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کریں گے کہ وہ اس میں رہا کرے گی۔ اسی طرح جب جہنم باوجود اہل جہنم کے داخل ہونے کے "بسل" میں مزید (۲) کہتی رہے گی۔ اس کیلئے حق تعالیٰ یہ نہ کریں گے کہ کسی مخلوق کو پیدا کر کے اس میں داخل کر دیں اور اس کا پیٹ بھر دیں۔ گودہ باوجود جہنم میں ہونے کے معذب بھی نہ ہوتے۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ بلاوجہ عذاب کی صورت کو بھی گوارا نہیں فرماتے کہ کسی کو پیدا کر کے اس میں صورت بھی داخل فرمائیں یہ عین رحمت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ دوزخ کے پکارتے رہنے پر حق تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھ دیں گے تو وہ کہے گی "بس بس"۔ اس حدیث کے معنی اول تو واللہ اعلم کیا ہیں اور اگر کوئی بات بھی سمجھ میں آوے مگر وہ بات مجلس عام میں کہنے کے قابل نہیں تو اسلم

(۱) ساتویں آسمان کے (۲) تہی طور پر (۳) اگر تائید نہیں تو جھٹلایا بھی نہیں (۴) اور ہوتے آؤ

طریق یہی ہے کہ زبان کو بند رکھا جاوے۔

### باغ محمدی

اہل ظاہر کو تو جہاں اطمینان ہو جاتا ہے تو بولتے بھی ہیں مگر صوفیہ تو بولتے بھی نہیں وہ تو ایسے اسرار کے ظاہر کرنے والوں سے ناراض ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

ظالم ان قومے کہ چشمان دوختند

و زسخنہا عالمے را سوختند

ترجمہ: وہ قوم بڑی ظالم ہے جنہوں نے آنکھیں موند لیں اور باتوں سے دنیا کو جا دیا۔ البتہ کبھی رمز (۱) میں کہہ بھی جاتے ہیں جیسے

در ہشمر رو بوش گمشته آفتاب دم سزن واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: آدمی میں سورج پوشیدہ ہیں، دم نہ مارو اللہ بہتر جانتا ہے

چنانچہ وحدۃ الوجود (۲) کے موقع پر کہہ بھی دیا اور پھر اظہار سے منع بھی کر دیا بات یہ ہے کہ ایسے اسرار کے ظاہر کرنے میں مثلہ (۳) اور الفاظ کافی نہیں ہیں۔ ان کی تویہ حالت ہے

اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک برفرق من و تمثیل من (۴)

پھر کبھی کسی مثال کے بیان کرنے کا عذر بھی ظاہر کرتے ہیں کہ بدوں بولے

صبر نہیں آتا۔

(۱) اشارۃ (۲) حقیقی اور دائمی وجود صرف اللہ کا ہے (۳) مثلہ (۴) اے وہ ذات جو میرے وہم و گمان سے باہر ہے آپ کے بارہ میں میرا بیان کرنا اور مثالیں دینا فضول ہے۔

بندہ نشکید تصور خوشت ہر دم ت گویہ کہ جانم مفرست (۱)

مستی کے غلبہ میں ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں مگر پھر کہتے ہیں۔

خاک برفرق من و تمثیل من

مطلب یہ ہے کہ میں امثال میں اسرار بیان کر دیتا مگر وہ کافی نہیں۔ مگر ان حضرات کو کبھی صحو (۱) ہوتا ہے اور کبھی سکر (۲) سکر کی حالت میں کہہ جاتے ہیں۔ یہ انکی حالت ہے جن پر حال غالب ہو جاتا ہے، اور جو حال پر غالب ہیں ان کی زبان سے تو کبھی ایسی باتیں نکلتی ہی نہیں۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی زبان سے کبھی ایسی باتیں نکلیں ہی نہیں کیونکہ وہ حال پر غالب ہوتے ہیں۔ صحابہ میں بھی جو مغلوب الحال تھے ان کی زبان سے ایسی باتیں تو نہیں نکلی ہیں۔ مگر بعض حالات ظاہر ہو گئے۔ اور جو حال پر غالب تھے جیسے ابو بکرؓ وغیرہ ان سے کبھی ایسی باتیں صادر ہوئیں نہ ایسے حالات ظاہر ہوئے۔

بات یہ ہے کہ امت ایک باغ ہے اس میں ہر قسم کے درخت ہیں۔ سرہ بھی ہے، جس پر مختلف ہواؤں کا اثر نہیں ہوتا۔ اس میں چھوٹی موٹی (۳) کے درخت ہیں کہ ہاتھ لگانے سے کھلا جاتا ہے، جس کو شرمندہ بھی کہتے ہیں۔ باغ میں سب چیزوں کی ضرورت ہے۔ پھر اس باغ میں بچے بھی ہیں، بڑے بھی ہیں، دیوانے بھی ہیں، مجذوب بھی ہیں، ہر طرح کے لوگ ہیں۔ یہ باغ محمدی ہر ابھرا ہے اور ہر ابھرا ہے گا۔

(۱) بندہ آپ کے تصور خوشت کے بیان سے مبری نہیں کر سکتا اور ہر دم ت کہتا ہے کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔

(۲) مستی سے ہوش میں آنا (۳) حالت مستی (۴) ایک پودے کا نام ہے جس کو ہاتھ لگائیں تو مر جاتا ہے اس لئے اس کو چھوٹی موٹی کہتے ہیں



صوفیہ مغلوب الحال بھی ہیں، اور ان میں ایسے بھی ہیں جو حال پر غالب ہیں۔  
غرض حدیث میں ہے یضع قدمہ (۱) مگر میں اس کے متعلق زیادہ نقل نہیں  
کرتا۔ یہ تو دوزخ کی حالت ہوئی، اسی طرح جنت بھی پکارے گی کہ اے اللہ! نبی کو بجز  
وہ تجھے، فوراً حق سبحانہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کر کے اس میں داخل فرمادیں گے کہ وہ اس  
میں رہا کرے گی۔

### لطف افطاری

میں نے اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ ہم بھی انہی  
میں سے ہو جاتے تو کیا اچھا ہوتا؟ فرمانے لگے کہ خدا نہ کرے، وہ کیا جانیں جنت کا  
مزرہ جنہوں نے کبھی تکلیف نہیں اٹھائی۔ مزرہ ان کو ہی آوے جو یوں کہیں گے 'الحمد  
للہ الذی اذیبب عنا الحزن' (۲) ہمیں چین ہوگا، انہیں کیا چین؟ جس نے  
روزہ نہ رکھا ہو تو اس کو شام کے وقت کیا مزرہ؟ استطراداً (۳) یاد آ گیا کہ بعض ایسے لوگ  
بھی ہیں کہ شام کے وقت روزہ داروں میں بیٹھ کر کہتے ہیں لاؤ ہم بھی روزہ افطار  
کر لیں۔ مگر جب روزہ نہیں تو جانے کس چیز کو افطار کرتے ہیں، یہ بھلے مانس روزہ دار  
تو ہوتے نہیں مگر افطاری میں سب سے پہلے آ موجود ہوتے ہیں، مگر انہیں کیا مزرہ؟ مزرہ  
تو شام کے وقت سوختہ افروختہ (۴) لوگوں کو ہوتا ہے کہ پانی کا نام لینے سے ان میں  
جان آ جاتی ہے استلذ اذ (۵) کے لئے پوچھا کرتے ہیں کہ پانی کہاں کا ہے؟ ایک شخص  
کہنے لگے کہ میں تو رمضان شریف میں اسٹیشن پر رہتا ہوں کہ وہاں کے کنوئیں کا پانی

(۲) :۔ اللہ پاک اس (دوزخ) پر اپنا قدم رکھ دیں گے (۲) تمام تر نہیں اس اللہ پاک کیلئے ہیں جس نے ہم

سے نم کوہر کر دیا (۳) ضمناً یاد آ گیا (۴) جیلے بنے (۵) لذت حاصل کرنے کیلئے پوچھا کرتے ہیں

نجیب (۱) ہے۔ اسی طرح جنت کا مزہ بھی اہل مصیبت (۲) کو ہوگا۔ یہ ایک مضمون اپنے اساتذہ سے سنا ہوا بیان کر دیا۔

### زمین کی روٹی

اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جماعت ہمارے مشائخ کی کتنی ممتاز ہے ان حضرات کی زبان سے کیسی حقائق بات نکلتی ہے۔ اسی طرح ایک محققانہ مضمون اور لیجئے، حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو ایک خاص غذا عطا ہوگی۔ اور غذا اس زمین کی روٹی ہوگی اس میں اشکال یہ ہے کہ کیا ڈھیلے (۲) اور پتھر کھائیں گے؟ کیونکہ زمین میں تو یہی چیزیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس میں حکمت کیا ہے کہ اس زمین کی روٹی ملے۔ کیا کوئی دوسری چیز جنت کی نہ تھی۔

ہمارے اساتذہ نے اس کو حل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے، اور بات بھی نہایت لطیف ہے گو درجہ ظن (۲) میں ہے۔ اشکال کا جواب تو یہ ہے کہ حدیث میں یہ کہاں ہے کہ ڈھیلے اور پتھر کھائیں گے؟ وہاں تو روٹی کا ذکر ہے کہ حق تعالیٰ زمین کی روٹی دیں گے اور سب اس میں سے کھائیں گے، یہاں بھی تو ہم زمین کے اجزاء کھاتے ہیں۔ دیکھئے ایک من گیہوں بوتے ہیں اور بیس من پیدا ہوتے ہیں۔ جو ایک من سے زائد ہیں وہ زمین ہی کے اجزاء ہیں۔ عناصر کے استخراج (۵) سے، ایک خاص ترکیب سے مٹی کی شکل گیہوں کی بن گئی۔

(۱) یعنی ننڈ اور میٹھا (۲) مصیبت اٹھانے والوں کو۔ (۳) ذلے یعنی روزے (۴) اگرچہ یہ ایک احتمال کے درجہ میں ہے۔ (۵) عناصر اور آگ پانی مٹی اور ہوا کو کہتے ہیں ان کی ایک ترکیب سے مٹی کی شکل گیہوں کی بن گئی

پس تم یہاں بھی تو زمین کے اجزاء کھا رہے ہو۔ پھر جیسے یہاں چھنے کے بعد کھاتے ہو، اسی طرح اللہ میاں وہاں بھی لطیف اجزاء کو چھان کر کھلائیں گے۔ زمین سے جتنے پھل وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، سب زمین کے ہی اجزاء ہیں۔ اجزاء لطیف ان شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تو ایک سوال تو اس سے حل ہو گیا۔

باقی رہا حکمت کا سوال تو میں اپنے اساتذہ ہی سے اس کو نقل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بہت سے اللہ کے بندے وہ ہیں جنہوں نے دنیا کی چیزوں کو چکھا تک نہیں خواہ انظراراً کہ میسر (۱) نہیں ہوئی، یا اختیاراً، مصلحت مجاہدہ و معالجہ (۲) میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو پان کا مزہ نہیں جانتے۔ تو بعضوں نے میوے نہ کھائے ہوں گے، بعض نے گوشت نہ کھایا ہوگا، تو اگر ان کو صرف جنت ہی کی نعمتیں دیتے تو ان کو دنیا اور جنت کی نعمتوں میں تفاوت نہ معلوم ہوتا۔

اور بدوں تفاوت (۳) کے پوری لذت اور قدر نہ ہوتی اس لئے ان کو اس شکل میں دنیا کی نعمتیں عطا فرمائیں گے اور وہ نعمت دیں گے کہ جس میں ہزار ہا قسم کے مزے ہوں گے۔ کیونکہ جتنے مزے دنیا میں ہیں زمین ہی سے نکلے ہوئے ہیں۔ تاکہ موازنہ کر کے لذت زائد ہو جائے۔ پھر اصل میں تو صرف ان زاہدوں کو حکمت مذکورہ کے سبب کھلانا منظور ہوگا، مگر کرم کی عادت پر زاہدوں کیساتھ ہم شکم پروروں (۴) کو بھی کھلا دیں گے۔

پس جیسا اس موازنہ سے نعم جنت کا مزہ بڑھے گا اسی طرح ایسے ہی موازنہ

(۱) خواہ تجوری کی وجہ سے کہ ان کو وہ نعمتیں ملی ہی نہیں (۲) یا اپنے اختیار سے انہوں نے ان نعمتوں اور پھلوں وغیرہ کو چھایا۔ اور ریاضت کی وجہ کھلایا نہیں (۳) بغیر فرق محسوس کے (۴) پینٹ کے پھاریوں

سے جنت کا مزہ ایسے ہی لوگوں کو ہوگا جو دنیا میں مشقتیں اور مصائب اٹھا کر راحت کے موقع پر پہنچیں گے، بخلاف ان کے جنہوں نے دنیا دیکھی ہی نہیں، پیدا ہوتے ہی جنت میں داخل ہو گئے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ دونوں کے پُر کرنے کے طریق میں رحمت کا ظہور ہوگا اسی ظہور کی فرع یہ بھی ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے مقرر فرمائے۔

### جنت کا نقشہ

جنت کے متعلق ایک اور لطیف مضمون یاد آیا اس کو بھی بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض حضرات کو جنت کا جو نقشہ مکشوف (۱) ہوا ہے اس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جنت کے طبقات الگ الگ نہ ہوں گے کہ ایک پورب میں تو دوسرا دکھن (۲) میں ہو۔ بلکہ ہذا (۳) بلکہ اوپر نیچے ہوں گے کہ نیچے ادنیٰ درجہ ہے اس سے اوپر اعلیٰ پھر اس سے اوپر اور اعلیٰ۔ علیٰ ہذا، چنانچہ فردوس سب سے بلند ہوگا۔

اس پر ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں سب سے اوپر کے درجہ کا چھوٹا ہونا لازم آتا ہے حالانکہ وہ سب سے بڑا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ اگر کوئی مکان نیچے سے چھوٹا ہو اور اوپر جا کر پھیلاؤ ہو جائے یہاں تک کہ تمام جہات (۴) سے باہر نکل جاوے۔ تو اس میں کیا استبعاد (۵) ہے، جیسے درخت کہ اس کا تنا عرض میں کتنا مختصر ہوتا ہے اور اوپر جا کر کتنا پھیلاؤ ہو جاتا ہے اس طرح وہاں بھی ممکن ہے۔

(۱) ذریعہ کشف کے مضمون: (۲) جانب مشرق کو پورب مغرب کو دکھن اور اگر مشرق کی طرف سے گرے گا۔ ہوں: (۳) نہیں جانب کو جنوب اور دکھن کہتے ہیں اور بائیں جانب کو شمال اور اتر کہتے ہیں (۴) اور اسی طرح مغرب و شمال (۵)۔ ب طرف سے (۵) تو یہ کیا شکل بات ہے جیسے آج کل ہانی کی نیکیاں بنائی جاتی ہیں کہ نیچے سے صرف ایک ستون اٹھا کر اس پر بڑی ہی نیکی بنائی جاتی ہے یا انٹس بندتیں مجھے، غیر نکال کر بنائی جاتی ہیں۔

## شبہ اور جواب

ایک سوال حدیث کے متعلق اور ہے۔ وہ یہ کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جس شخص کا عمل جس دروازہ کے مناسب ہوگا اسی دروازہ سے پکارا جائے گا۔ مثلاً کسی نے نماز زیادہ پڑھی ہوگی تو وہ باب الصلاۃ (۱) سے بلایا جاوے گا۔ اور جس نے روزے زیادہ رکھے ہوں گے تو وہ باب الریان (۲) سے بلایا جاوے گا۔

اب فرض کیجئے کہ کوئی شخص ایسا ہو کہ جس نے ہر قسم کے عمل بکثرت کئے ہوں تو وہ مستحق اس کا ہوگا کہ وہ شخص ہر دروازے سے بلایا جاوے۔ چنانچہ حضور ﷺ سے حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ کوئی شخص ایسا بھی ہوگا کہ سب دروازوں سے بلایا جاوے گا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا "ار جوان تکون منہم" کہ نہیں کو امید ہے کہ ان لوگوں میں تم ہو گے۔ اس صورت سے لازم آتا ہے کہ ایک شخص مختلف دروازوں کی طرف کھنچا کھنچا پھرے۔ نیز مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی صورت کیا ہے؟ کیونکہ ایک شخص ایک ہی دروازہ سے داخل ہو سکتا ہے۔

جواب اس کا یہ کہ جو تقریر پہلے کی گئی کہ جنت کے طبقات (۲) الگ الگ نہ ہونگے۔ اس پر یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ مثلاً فرض کیجئے کہ باب الصلاۃ پہلا دروازہ ہے اور کسی نے نماز میں زیادہ پڑھی ہیں وہ اس دروازہ سے بلایا گیا اور داخل ہو کر جنت میں پہنچ گیا اور وہیں ہی رہ گیا۔ ایک وہ شخص ہے جس نے نماز روزے دونوں عمل بکثرت کئے تو وہ باب الصلاۃ سے گزر کر دوسرے دروازہ باب الریان میں گیا اور جنت میں داخل ہو کر وہیں رہ پڑا۔

(۱) دروازہ نماز (۲) تہتر دروازہ (۳) درجات

اب ایک شخص وہ ہے کہ اس نے ہر قسم کے اعمال بکثرت کئے ہیں تو وہ باب  
الصلوات میں اول داخل ہوا، اور پھر باب الریان میں پہنچا، پھر تمام دروازوں کو طے کرتا  
ہوا اعلیٰ جنت میں پہنچ گیا۔ ہاں اگر جنت کے طبقات (۱) الگ الگ ہوتے تو یہ  
اعتراض بظاہر لازم آتا گو اس میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ بلایا جاہے سب دروازوں  
سے، مگر داخل ہو ایک ہی سے۔ اس طور سے بلانے میں اس کا اکرام زیادہ ہے لیکن  
نقشہ مذکورہ کے بعد تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔

### مزہ دار فضیلت

باقی جو امور کشف کے متعلق بیان ہوئے ہیں یہ تخریصات اور منظونات (۱)  
کے درجہ میں ہیں کوئی دلیل شرعی ان پر نہیں اور نہ ان کی تکذیب پر کوئی نص (۲) ہے اُن  
چاہو اپنے دل کو سمجھا لو۔ غرض جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک کا نام باب  
الریان ہے۔ اس حدیث میں روزہ کی فضیلت بیان فرماتے ہیں کہ روزہ دار ہی اس  
دروازہ سے داخل ہوں گے۔

اور اطلاق (۲) لفظ روزہ سے مراد عام ہے۔ نفل ہو یا فرض۔ پھر جب نفل  
کی بھی اتنی فضیلت ہے تو فرض کی تو کیا کچھ فضیلت ہوگی؟ اور روزہ کے فضائل تو بہت  
ہیں مگر یہ ایک فضیلت نہایت مزہ دار ہے کیونکہ پیاسے کو پانی کا نام سننے سے حرہ آتا  
ہے، اسی واسطے نام بھی وہ لیا گیا کہ جس کے سننے سے فرحت ہو۔ وہ کیا؟ باب

(۱) درجات (۲) جو باتیں وہ نیا کشف سے جنت کے بارے میں بیان کی گئی ہیں وہ ایک اندازے اور گمان کا  
درجہ رکھتی ہیں (۳) ان کے ثبوت میں کوئی شرعی دلیل ہے اور نہ ہی قرآن و حدیث میں اس کا ذکر کیا گیا ہے  
(۴) اور نہ ان کے بارے میں مطلق لفظ استعمال کرنے پر حکم ہر روزہ کو شامل ہے۔

الریان۔ یعنی تروتازہ دروازہ جو پانی سے سیراب ہو۔ اور روزہ دار کو جیسی پانی سے فرحت ہوتی ہے اور کسی چیز سے کم ہوتی ہے اور پانی جیسا محبوب ہے دوسری چیز نہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ محبوب کا نام لینے سے بھی مزہ آتا ہے۔ اگر مزہ نہ آتا تو ایک عاشق یہ شعر نہ کہتا اگر چہ وہ شراب ہی کو کہہ رہا ہے۔

الافاسقنی خمر او قل لی بی الخمر ولا تستقنی سرامتی امکن الیجمر  
ترجمہ: تو مجھے شراب پلا اور یہ کہہ کر پلا کہ یہ شراب ہے۔ جب تک علی الاعلان پلائی جاسکے چھپے ہوئے مت پلا!

کہ شراب پلاتا جا اور اس کے ساتھ یوں کہتا جا کہ شراب ہے شراب ہے۔ یہ محبوب کے نام سے لطف حاصل کر رہا ہے اور یہ چاہ رہا ہے کہ پلانیو الازبان سے اس کا نام بھی لیتا جاوے اس میں بھی مزہ ہے۔ کوئی عاشق مزاج کبھی نہ کہے گا کہ محبوب کا نام لینا بے مزہ ہے غرض روزہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے پانی۔ اسی واسطے میں نے ایسی حدیث چھانٹی جس میں پانی کا ذکر ہے اور پانی بھی اللہ میاں کے میاں کا جس کی یہ صفت ہے لا لغو فیہا ولا تأثمیم (۱)۔

ایک ہمارے دوست ہیں اور ضابطہ سے ملازم، وہ پانی پر بڑے دلدادہ ہیں، ایک روز انہوں نے پانی بہت پی رکھا تھا کسی نے کہا کہ کہیں تمہارا پیٹ نہ پھٹ جائے۔ کہنے لگے کہ اگر محبوب کے وصل میں جان بھی جاتی رہے تو کیا حرج ہے؟

## لطیفہ

مجھے اس کے متعلق ایک لطیفہ یاد آیا وہ یہ کہ ان کے گاؤں میں قحط تھا ان بیچاروں کو روٹی پینٹ بھر نہیں ملتی تھی۔ ایک روز انہوں نے دیکھا کہ ایک دوسرے گاؤں میں سے لوگ بھاگے جا رہے ہیں۔ اس کا سبب (۱) دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہاں مرض ہیضہ کا پھیل رہا ہے اس لئے بھاگ رہے ہیں۔ گاؤں والوں سے پوچھا کہ یہ مرض کیسے ہوتا ہے؟ کسی نے کہا کہ بہت سی روٹی کھا جانے سے ہوتا ہے وہ کہتے ہیں ہیں یہ مبارک مرض کبھی ہمیں نہ ہوا۔ محبوب کے وصل میں مرنا قبول، چاہے جان جاتی رہے مگر محبوب مل جاوے۔ پھر یہ حالت یہاں ہی کی غذاؤں کی ہے کہ زیادہ کھاؤ تو سرنے کی نوبت آجائے، اور حق تعالیٰ کے یہاں تو کتنا ہی کھالیں گے کچھ بھی نہ ہوگا اور پتہ بھی نہ چلے گا، البتہ پسینہ نکلے گا جس میں مشک کی خوشبو نکلے گی۔

## جنت کی غذائیں

یہ خبر علاوہ ہماری تفریح کے بددینوں کا منہ بند کرنے کو بھی دے دی ہے کیونکہ بعض اہل سائنس اعتراض کرتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غذا کھائیں اور پتہ بھی نہ چلے۔ نہ اجابت (۲) کے ذریعے سے دفع ہو۔

حضرت ﷺ نے ان کا منہ بند کرنے کے لئے فرمادیا کہ جو فضلہ (۳) ہوگا بھی وہ پسینہ کے راستہ سے دفع ہوگا جس کی خوشبو مشک کی سی ہوگی۔ اور غور کیا جاوے تو یہ اعتراض ہی فضول ہے جنت کی غذاؤں میں اتنا فضلہ ہی نہیں جو اجابت کی حاجت (۴)

(۱) انکی سبب علم کی (۲) پاننا کے ذریعے نکلے (۳) اجزائے قاضی اس غذا کے بڑی پیدائشیں گے (۴) جنت کی غذا میں اجزاء نہ انہ ہی نہیں کے ان کے جسم سے نکلنے کیلئے پاننا کی ضرورت ہو



ہو۔ دنیا کے اندر اس کی نظائر بہت ملیں گی بعض غذائیں تو ایسی ہیں کہ ان کو کھا کر فضلہ بہت ہی خارج ہوتا ہے اور بہت سی ایسی غذائیں ہیں کہ ان کا فضلہ بہت ہی کم نکلتا ہے (۱)۔

جنت میں اللہ میاں نے اپنی قدرت کی مشین سے غذاؤں کو فضلات سے ایسا صاف کیا ہے کہ ان میں کچھ فضلہ رہا ہی نہیں۔ اور کچھ غبار ہو بھی تو وہ اسی قدر ہے کہ صرف پسینہ آنے سے نکل سکتا ہے اور کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔ مگر افسوس کہ مقررین روزمرہ ایسی نظائر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر تامل و فہم سے کام نہیں لیتے۔ یہ کلام استطراد آ گیا تھا۔

### سیرابی کی نعمت

اب مضمون سابق کی طرف عود کرتا ہوں جو باب الریان (۲) کے متعلق ہے یعنی دنیا میں ایسا پانی کہاں؟ باب الریان کے معنی ہیں دروازہ پانی سے سیراب ہونیوالا۔ دروازہ کا نام لینے ہی سے روئیں روئیں میں جان آگئی۔ یہ دروازہ کا نام ہے جو صائمین (۳) کے لئے بہت ہی مناسب ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے جو دعا افطار کی تعلیم فرمائی ہے اس میں بھی ایسی ہی مناسبت ہے یعنی اس میں بھی پانی کا ذکر ہے۔ حکیم ایسے ہی ہوتے ہیں دعا یہ ہے ”ذیب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء اللہ“ اور ایک یہ دعا بھی ہے ”انسلہم لك صمت و بك (۱) جیسے چارہ اور ہزیاں کہ ان سے فضلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے گائے بھینس کا فضلہ زیادہ ہوتا ہے۔ یوں وغیرہ سے کم فضلہ پیدا ہوتا ہے۔ (۲) جنت کے اس دروازے کے متعلق جس سے روزہ دار داخل ہوں گے (۳) روزہ داروں کیلئے

آمنت وعلیک تو کلت وعلیٰ رزقک افطرت“ (۱) ذہب الظمأ الخ کے معنی یہ ہیں کہ پیاس جاتی رہی اور رگیں تر ہو گئیں اور خدا نے چاہا تو ثواب ثابت ہو گیا۔ رہا یہ شبہ کہ سناتے کس کو ہیں؟ بات یہ ہے کہ کسی کو نہیں سناتے بلکہ اللہ میاں کی نعمت کو یاد کرتے ہیں زبان سے کہہ کر مزہ لے رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے مجاہدہ بھی کرایا تو ایسا جس میں لطف ہے۔ دن بھر تو انتظار کا لطف اٹھایا اور شام کو روزہ افطار کرنے بیٹھے تو سیرابی کی نعمت بھی حاصل ہو گئی زبان سے اس کا تذکرہ بھی ہوا۔ واللہ عجیب لطف ہے۔

### ادب افطار

نہ معلوم رمضان میں لوگ کیونکر بے روزہ رہتے ہیں؟ میرے چار روزے بیماری کی وجہ سے قضا ہوئے تھے، دن میں کھاتے پیتے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میں نے چوری کی ہے۔ حالانکہ میں نے کوئی کام بُرا نہیں کیا (۲) کیونکہ طیب صاحب نے افطار کی اجازت دیدی تھی۔ چار روزوں کے بعد پھر افطار کو تہی نہ چاہا اگرچہ ان ناندھ کے ایام میں کھانا پینا بوجہ خوف ضعف (۳) کے تھا، کہ نہ کھانے سے کہیں ضعف نہ بڑھ جائے۔ مگر صاحب واللہ اس کھانے پینے میں ہرگز وہ لطف نہ تھا جو افطار کر کے کھانے پینے میں آتا ہے۔

پانچویں روز دوا میں کچھ بے انتظامی ہو گئی، میں نے کہا کہ جاؤ اب میں پیتا

(۱) یا اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیرے رزق پر افطار لیا  
(۲) اس لئے کہ شرنا پناہ کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے بعد میں قضا کر لے (۳) کمزوری کے خوف سے کھانا کھاتے تھے کہیں زیادہ نہ ہو جائے

ہی نہیں اور روزہ رکھ لیا۔ میں تعجب کرتا ہوں ان لوگوں سے جو بلا عذر روزہ نہیں رکھتے کیسے ان کا دل گوارا کرتا ہے؟ بعض اسلامی ریاستوں میں سنا ہے روزہ نہ رکھنے پر جرمانہ ہوا ہے۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ بعض کھلم کھلا کھاتے پھرتے ہیں اور جوان کو ٹوکے ان سے صاف کہہ دیتے ہیں کہ جب اللہ کی چوری نہیں تو بندوں کی کیا چوری؟ میں کہتا ہوں کہ ایسے لوگ بازار میں اپنی بی بی سے ہم بستر کیوں نہیں ہوتے؟ کیونکہ جب اللہ میاں کی چوری نہیں تو بندوں کی کیا چوری؟ اگر بازار والے دیکھ لیں گے تو کیا حرج ہے؟ بلا عذر بھی لوگوں کے سامنے کھاتے پیتے ہوئے پھرنا اس کا تو کیا ذکر ہے ادب یہ ہے کہ صاحب عذر بھی سب کے سامنے افطار نہ کرے۔ غرض روزہ داروں کو کئی طرح کے لطف حاصل ہوتے ہیں، روحانی لطف تو ہے کہ ہم جیسے پیٹ کے کتوں کو بھی لطف ہے، دیکھو انتظار میں اس وقت کیسا لطف ہے کسی غیر محقق کا قول ہے۔

جو مزہ انتظار میں دیکھا پھر نہ وہ وصل یار میں دیکھا

غیر محقق اس لئے کہا کہ یہ کلام علی الاطلاق (۱) صحیح نہیں ہے، کیونکہ دنیا کے محبوبین کا لطف تو بیشک وصل (۲) ہونے پر ختم ہو جاتا ہے، لیکن محبوب حقیقی کے قرب کا لطف غیر متناہی (۳) ہے کبھی ختم نہیں ہوتا وہاں تو یہ کیفیت ہے۔

دلارام در بردلارام جو لب از تشنگی خشک و بر طرف جو

نگویم کہ بر آب قادریند کہ بر سائل نیل مستقیند

ترجمہ: محبوب بغل میں اور وہ محبوب کو ڈھونڈ رہے ہیں، لب پیاس سے خشک ہیں

(۱) باک۱ (۲) یعنی (۳) نہ ختم ہونے والا

میں یہ نہیں کہتا کہ پانی پر قادر نہیں کہ ساحل نیل پر پیاسے بیٹھے ہیں اور نہ ہر  
کے کنارے بیٹھے ہیں۔

ایک اور شعر ہے:

دامان نگہ تک و گل حسن تو بسیار گل چین بہار تو ز داماں گلہ دار  
ترجمہ: نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول زیادہ ہیں تیری بہار کا گل چین  
دامن تنگ سے گلہ رکھتا ہے۔

جن کی یہ شان ہے ان کی طلب بھی غیر متناہی ہے۔ ایک شاعر طلب کے غیر  
متناہی ہونے کو بیان کرتا ہے

قلم بشکن، سیاہی ریز و کاغذ سوز، دم در کش

حسن اس قصہ عشق ست در دفتر نمی گنجد

ترجمہ: قلم تو زرد، سیاہی گرا دو، کاغذ جلا دو اور چپ رہو، حسن یہ عشق کا قصہ ہر کاپی میں  
نہیں ملتا۔ عشق کا کہیں پتہ نہیں، حسن و جمال کا بھی پتہ نہیں، مگر با اس ہمہ جنت میں  
سیری ہوگی اور لذت میں بھی ترقی ہوگی۔

### تجلیات ربانی

اور یہ جو بعض اہل حال کا مقولہ ہے کہ جنت میں ایک درجہ ہے، بعض عشاق  
اس میں ہونگے کہ وہ ہر وقت ارنی ارنی (۱) پکاریں گے، اور یہ ان کا پکارنا ختم نہ ہوگا اور  
اس درجہ میں حور و قصور وغیرہ نہ ہوں گے۔ تو یہ کشف مؤول (۲) ہے۔ تاویل یہ ہے کہ  
شاید کسی ساعت قلیلہ (۳) کیلئے ایسا ہو مگر پھر سیری ہو جاوے گی اور اس حد کے بعد اور

(۱) نیت، کما فیہ دکھا (۲) یہ ایسا کشف ہے جس کی تاویل کی جائے گی (۳) تھوڑے سے وقت کیلئے

چیزیں بھی ہوں گی۔ جیسے میدان حشر میں بعض تجلیات کی نسبت لوگ کہیں گے کہ آپ ہمارے رب نہیں ہیں۔ ہم اپنے رب کو پہچانتے ہیں پھر دوسری صورت سے تجلی ہوگی اور ہوں گی دونوں تجلیاں حق تعالیٰ کی، مگر پہلی تجلی سے قناعت نہ ہوگی اس کے بعد جو تجلی ہوگی اس سے قناعت ہو جاوے گی۔

چونکہ یہ کسی درویش کا قول ہے اس لئے میں نے تاویل کی ہے اگر اس تاویل کو کوئی نہ مانے بلکہ ظاہر ہی پر محمول (۱) رکھے۔ تو جانیے ہم دوسرا جواب دیں گے کہ ہم قرآن و حدیث کے خلاف اس کشف کو نہیں مانتے، کیونکہ جنت میں ایسا کوئی درجہ ہی نہیں کہ جہاں حور و قصور نہ ہوں جنت میں سب کچھ ہوگا، اور سیری بھی ہوگی سیری نہ ہونا غلط ہے، وہاں تو وہ کیفیت ہوگی جس کو یاد کر کے اب یہ کہنا زیبا ہے کہ اگر چہ دور افتادم بایں امید خور سندم کہ شاید دست من بار در گرجانان من گیرد ترجمہ: اگر چہ دور ہوں مگر اس امید سے خوش ہوں کہ شاید میرا ہاتھ دامن محبوب کو چھو لے۔

یوں نہیں کہا کہ دست جانان خود گیرم (۲) کیونکہ جانان من گیرد (۳) میں اور ہی لطف ہے۔ آپ کو بشارت ہے کہ جنت میں آپ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ انہ بسکل شنئی محیط (۴) کی لذت عشاق کو اب بھی ہے وہاں اور بھی اتم (۵) ہوگی۔ مزد ہے، چین ہے، وہ آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔ پوری سیری اسی سے ہوتی ہے لہذا جنت میں پوری سیری ہوگی وہاں تجلی تام ہے اور محیط (۶) ہے۔ پھر احاطہ بھی بلا

(۱) اس کے ظاہر ہی مراد ہے (۲) محبوب کے دامن کو میں خود چھوؤں (۳) میرا محبوب مجھ کو چھو لے گا (۴) بیٹک اندھ تھانی نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہے (۵) کامل عمل (۶) مزد کی جلی مکمل ہے۔ جانان جنت ہوئے ہے

حجاب (۱) ہے، محبت اور محبوب میں اگر کپڑا حائل ہو تو سیری نہیں ہوتی اللہ میاں کپڑوں سے پاک ہیں البتہ حجابات درمیان میں ہیں۔ جنت میں سارے حجابات رفع ہو جائیں گے۔ سوائے رداء کبریا (۲) کے کوئی حجاب نہ ہوگا۔ جس کی حقیقت ادراک کرنے (۳) کا امتناع ہے۔ نیز جنت میں سیری اس لئے بھی ہوگی کہ جنت تعب و بے کلی (۴) سے خالی ہے وہاں انتظار و اشتیاق (۵) بعد کا نہ ہوگا۔ پس یہ کسی غیر محقق کا قول ہے کہ

جو مزہ انتظار میں دیکھا پھر نہ وہ وصل یار میں دیکھا

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وصل یار میں اور زیادہ لطف ہے۔ پس روزہ کا لطف کیا پوچھتے؟ دو؛ پانی کے انتظار میں ایک لطف ہے، پھر پیٹے وقت اس سے زیادہ لطف، پھر رگیں تر ہو گئیں۔ یہ تیسرا لطف آخرت کے لطف کی خبر دیتا ہے کہ باب بیسمی ربیان یعنی وہ دروازہ تر تر ہوگا۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ تر تر ہوگا۔ جو اب ہو جائے گا۔ اگر کسی کو خیال ہو کہ ہم باب الریان کو کیا سمجھیں گے؟ عربی تو جانتے ہی نہیں پھر یہ نام سن کر وہاں کیا مزہ آئے گا؟ تو خوب سمجھئے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہوگی وہاں سارے عربی دان (۶) ہو جائیں گے۔ باب الریان کو بھی سمجھو گے اور اس کا نام بھی ریان ہوگا۔ دیکھنے میں بھی ریان ہوگا یعنی تر تر۔

حیات جنت و دوزخ

بعض نے کہا ہے کہ ریان کی اسناد باب کی طرف حقیقی ہے یعنی وہ دروازہ خود

(۱) بغیر حجاب (۲) کبریائی کی چادر (۳) جس کی حقیقت کو معلوم کرنا ناممکن ہے (۴) تمکابوت اور بے چین

(۵) نبوب سے دور ہونے کی صورت میں جو انتظار اور شوق ہوتا ہے وہ نہیں ہوگا (۶) عربی جاننے والے

بھی تروتازہ ہوگا کہ اس میں نہریں ہوں گی فوارے ہوں گے وہ بھیگا ہوا ہوگا مگر یہ نہیں کہ اس میں کچھڑ ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسناد مجازی ہے یعنی دروازہ کو ریان کہنا باعتبار ان لوگوں کے ہے جو اس میں وارد ہوں گے یعنی وہ تروتازہ ہو کر جائیں گے۔

اس کے بعد ایک گفتگو اس میں ہے کہ جنت کی چیزیں جس حالت پر ہوں گی، آیا وہ چیزیں خود بھی اس حالت کا ادراک (۱) کریں گی یا نہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ ان کو بھی ادراک (۲) ہوگا۔ مثلاً دروازہ تریتر ہوگا تو وہ اپنے تریتر ہونے کا ادراک بھی کرے گا۔ اسی طرح اور چیزوں کا حال ہے اور ان الآخرة لہی الحيوان (۳) سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آخرت سراپا حیات ہے۔ کیونکہ زیادہ مستعمل حیوان بمعنی مصدر ہے۔ یہ ایسا ہے کہ جیسے زید عدل (۴) اور اگر صفت بھی ہو تو بمعنی ذی حیات (۵) ہوگی۔ پس وہاں کی درود دیوار میں بھی زندگی ہوگی۔ دیواریں گائیں گی، نعمت پیدا ہوں گے، درخت گائیں گے۔

اور بظاہر اس لئے کہا کہ کلام میں یہ بھی احتمال ہے کہ ”الدار“ کا مضاف مقدر ہو یعنی حیوة الدار الآخرة ہسی الحيوان (۶) باقی جنت کا بولنا خود حدیث میں آیا ہے اور وہ بظاہر حقیقت پر محمول ہے یہی صوفیہ کا مسلک ہے۔ بعض اہل ظاہر خشک ہیں وہ کہتے ہیں کہ جنت مثل بولنے والے کی ہوگی جیسے بے جان تصویر کو کہہ دیتے ہیں، ایسی جیسے اب بول پڑے گی یہ حیات کے قائل نہیں۔ مگر یہ محض تاویل ہے

(۱) ان چیزوں کو خود اپنی حالت کا علم ہوگا کہ نہیں (۲) وہ بھی اس بات کو محسوس کریں گی (۳) آخرت سراپا زندگی ہے

(۴) زید سراپا انسان ہے (۵) زندگی والی (۶) آخرت کے مگر کی زندگی سراپا حیات ہے

صوفیہ کا قول ظواہر نصوص (۱) سے متايد ہے۔ ان کے نزدیک دوزخ بھی ذی حیات ہی ہوگی۔ لیل یہ ہے کہ "مل من مزید" (۲) پکارے گی۔

نیز اس میں اور بھی آثار حیات (۳) کے پائے جاتے ہیں۔ نیز بعض اہل کشف نے جہنم کی شکل کے بارہ میں کہا ہے کہ اس کی شکل اثر دھسے کی سی ہے اس کے پیٹ میں سانپ، بچھو، کنکھجورے وغیرہ ہیں، سارا جہنم اثر دھسے کی صورت ہے۔

اس سے ایک حدیث کے معنی بلا تاویل سمجھ میں آجاویں گے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میدان قیامت میں لائی جاوے گی، جس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوں گے، مگر پھر بھی قابو سے باہر نکلی جاتی ہوگی اور کڑکتی (۴) ہوگی اور "مل من مزید" پکارتی ہوگی، اس کے معنی صوفیہ کے قول پر اس طرح سمجھ میں آتے ہیں کہ چونکہ وہ ذی حیات (۵) ہے، اس لئے اس قسم کے آثار اس سے پائے جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ قرآن، حدیث کو جس سہولت سے اہل باطن سمجھتے ہیں اور لوگ نہیں سمجھتے۔ اور جاندار ہونے کی صورت میں اس کا اثر فرحت میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اہل باطن کے مسلک پر سیرابی کی فرحت صائمین کو بہت زیادہ حاصل ہوگی۔ کیونکہ جب سنیں گے کہ باب الریان ذی حیات ہوگا، تو یہ سمجھیں گے کہ دروازہ میں داخل ہونے والے تو خوش ہوں ہی گے، مگر وہ دروازہ بھی بوجہ ذی حیات (۶) ہونے کے خوش ہوگا۔ اور پھانک کے جاندار ہونے پر خلاف عادت ہونے کے خیال سے تعجب نہ کیا جاوے۔ کیونکہ خلاف عادت بھی نہیں، جیسے دنیا میں بچے کے لئے ماں

(۱) صوفیہ کے قول کی تائید حدیث کے ظاہری معنی سے ظاہر ہوتی ہے (۲) اگر اور ہوتو (۳) چونکہ اس میں زندگی پائی جاتی

ہے (۴) چلاتی ہوگی (۵) چونکہ اس میں زندگی پائی جاتی ہے (۶) زندگی کے حامل ہونے کی وجہ سے



پھانک بن جاتی ہیں کہ لڑکا اس کے طریق خاص سے نکلتا ہے، ایسے ہی وہ دروازہ ہوگا اور یہ تعجب ایسا ہی ہے جیسے ایک ملحد نے اعتراض کیا تھا کہ جنت میں دودھ کی نہروں کے واسطے اتنی گائیں کہاں سے آئیں گی؟ جواب یہ ہے کہ دنیا میں دودھ تھن میں سے نکلتا ہے اور خدا ہی پیدا کرتا ہے۔ اگر وہاں وہ نہر ہی خاصیت میں ایک بڑا تھن ہو اور اس میں دودھ پیدا کر دیا جاوے تو کیا تعجب کی بات ہے؟ اسی طرح جیسے یہاں جاندار پھانک پیدا کئے ہیں وہاں بھی پیدا کر دیں تو کیا مل تعجب ہے۔

### سیرابی و سیری

قرآن سے بھی روزہ دار کے لئے دو نعمتیں ثابت ہوتی ہیں۔ سیرابی کی بھی "اشربوا" (۱) سے، اور سیری کی بھی "کلوا" (۲) سے، چنانچہ ارشاد ہے "کلوا واشربوا بنیناً بما اسلفتم فی الايام الخالية" (۳) پس روزہ دار ریان بھی بنائے جائیں گے اور شبعان بھی (۴)۔ اور حدیث میں گو شبعان صراحتاً مذکور نہیں مگر ریان خود شبعان پر ولالت کرتا ہے کیونکہ پانی پینے کا لطف پیٹ بھرنے ہی پر آتا ہے۔ دوسرے کریموں کی عادت ہے کہ کھانا کھلا کر پانی پلایا کرتے ہیں خالی پیٹ نہیں پلاتے۔ ہاں بعض بخیلوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ پانی سے مہمان کا پیٹ بھرنا چاہا کرتے ہیں تاکہ کھانا کم کھاوے۔

کریموں کی عادت یہ ہے کہ کھانے کے بعد پانی دیتے ہیں قبل نہیں دیتے تاکہ کھانا خوب کھایا جاوے۔ لہذا ریان عاۃ شبعان (۵) کو سترزم ہے۔ باقی ریان کے

(۱) پیر (۲) کھاؤ (۳) المائد آیت ۲۳ (۴) روزہ دار ترتر بھی ہوئے اور پیٹ بھرے بھی (۵) سیرابی پیٹ بھرے ہونے کو لازم ہے

عنوان میں صرف پانی کی بشارت اس لئے دی کہ صائم (۱) کو زیادہ مرغوب (۲) یہی ہے۔ اسی کی بشارت میں ارشاد ہوا ہے کہ ”لا یدخلہ الا الصائمون“ یعنی اس میں روزہ دار ہی جائیں گے۔ اور میں نے جو اوپر جنت کے نقشہ کے ذکر میں ایک مثال درخت کی بیان کی ہے کہ جڑ عرض میں کم ہوتی ہے اور شاخیں زیادہ ہوتی ہیں۔

اس پر جنت کے درختوں کے متعلق ایک مضمون یاد آ گیا اس کو بھی عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جنت کے درخت کی جڑ اوپر اور شاخیں نیچے ہونگی۔ مگر اس کا ظاہری مطلب مراد نہیں کہ جڑ تو آسمان کی طرف ہو اور شاخیں زمین کی طرف۔ جیسے کوئی چھوٹے سے درخت کو اٹنا جمادے کہ اس کی جڑ اوپر کو شاخیں نیچے کو ہو جائیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جڑ تو اونچی سطح پر ہوگی اور اسی سطح کے گرد اگر داس سے نشیب میں خلا ہوگا۔ اس میں شاخیں جڑ کی سطح سے بھی نیچے لگی ہوں گی۔ جیسے کوئی پھلواڑی گملہ میں رکھ کر وہ گملہ کسی اونچی ستون پر رکھ دیا جاوے اور اس کی شاخیں گملہ سے بھی نیچے پہنچ جاویں۔

حکمت اس میں یہ ہوگی کہ اہل جنت مل بیٹھ کر سب طرح پھل توڑ سکیں۔ مثلاً جڑ زمین سے دس فٹ اونچی ہو اور شاخیں زمین سے دو فٹ بلند ہوں۔ جیسے دنیا میں اونچے چبوترے پر درخت ہوتے ہیں جن کی شاخیں زمین کے متصل ہوتی ہیں۔ یہاں تک منجملہ تقریروں کے ایک تقریر ہے جو بیان ہوئی اس تقریر کا نام ”الریان من رمضان“ مناسب ہے یعنی ریان کے حصول کی بشارت رمضان (۲) کی وجہ سے۔

(۱) روزہ دار (۲) چند ید (۳) رمضان کے روزے کی وجہ سے عروق کے زہر ہونے کی خوشخبری

## فضیلت رمضان

اور جو مضمون اس سے پہلے جمعہ میں بیان کرتا اگر طبیعت اچھی ہوتی وہ اس آیت کے متعلق ہوتا جو آئندہ ذکر کرتا ہوں ”شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدیٰ للناس و بینات من الہدیٰ والفرقان (۱)“ ہدیٰ للناس میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑی ہدایت ہے لوگوں کے لئے۔ اور دلائل واضح ہیں۔ یہ عطف تفسیری ہے۔ ”من الہدیٰ“ میں ”من“ تبعیضیہ (۲) اور الف لام جنس کا ہے مطلب یہ ہوگا کہ قرآن بڑی ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور دلائل واضح ہیں ان شرائع سادہ میں سے جن کی شان ہدایت ہے۔ یعنی شرائع سادہ (۳) تو متعدد ہیں۔ ان سے ایک قرآن بھی ہے۔ اب ”من“ کا تبعیضیہ ہونا واضح ہو گیا اور یہ تخصیص بعد تعمیم (۴) ہے۔ یوں تو تمام کتب سادہ اور تمام شرائع کی شان ہدایت ہے مگر اس تخصیص سے قرآن کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور فرمان لو ازم ہدیٰ سے ہے کیونکہ وضوح حقیقت کے بعد امتیاز بین الحق والباطل لازم ہے۔ (۵)

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ موقع تو ہے رمضان کی فضیلت بیان کرنے کا چنانچہ اوپر سے صوم ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے اور بیان کی گئی قرآن کی فضیلت۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ فضیلت بیان کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ خود

(۱) بقرہ آیت ۱۸۵، ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور واضح الدلیل ہے۔ جملہ ان کتب کے جو کہ ہدایت ہیں اور فصلہ کرنے والی ہیں۔ (۲) من جو بعض کے معنی استعمال ہو۔ (۳) آتان سے نزل ہونے والی شریعتیں اور کتابیں تو بہت سی ہیں جیسے تورات انجیل وغیرہ (۴) ایک عام حکم بیان کر کے پھر اس میں سے تخصیص کر دی گئی (۵) کیونکہ حقیقت واضح ہونے کے بعد ہی انسان حق و باطل میں فرق کرے

اس چیز کی فضیلت بیان کریں۔ اور ایک یہ فضیلت تو بیان کریں دوسری شے کی، اور اس کی فضیلت اس سے لازم آ جاوے۔ اور یہ احسن طریقہ ہے کیونکہ اس میں دعوے کے ساتھ دلیل بھی ہے اس کو کہتے ہیں:

خوشتر آں باشد کہ سر دلبرا گفت آید در حدیث دیگر اں (۱)

مثلاً ہم کو حضرت حاجی صاحب (۲) کی فضیلت بیان کرنا ہو تو اس کا ایک طریق تو یہ ہے کہ خود انکی فضیلت بیان کریں، اور دوسرا طریق یہ ہے کہ یوں کہیں کہ حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ مولانا گنگوہی جیسے شخص ہیں۔ اور یہ احسن طریق ہے پس اسی طریق سے رمضان کی فضیلت اس طرح لازم آگئی کہ ماہ رمضان وہ ہے جس میں ایسا اور ایسا کلام نازل ہوا ہے۔ جس ماہ کو اتنی بڑی چیز سے ملاست (۳) ہوگی تو وہ ماہ کتنی فضیلت رکھتا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ بڑی فضیلت والا ماہ ہوگا۔

### اہتمام تلاوت

اب ماہ رمضان میں نزول قرآن سے برکت ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ برکت اس کو قرآن کے نازل ہونے سے حاصل ہوئی۔ ایک یہ کہ برکت اس ماہ میں پہلے سے تھی اور قرآن کے ہونے سے یہ ماہ نور علی نور ہو گیا ہو۔ اسی کے مناسبت نعت کا یہ شعر ہے۔

۔۔۔ نبی خود نور، اور قرآن ملا نور نہ ہو پھر ملکے کیوں نور علی نور

اسی طرح یہاں ہوگا کہ رمضان خود نور پھر قرآن دوسرا نور۔ بس اس سے مل

(۱) یہ بہترین طریقہ ہے کہ محبوب کی خوبیاں دوسروں کے ذکر کے ضمن میں بیان کی جائیں (۲) حاجی امہ اود اللہ مہاجرینی (۳) جس ماہ کو اتنی بڑی چیز سے تعلق ہوگا۔

کر یہ نور علی نور ہو گیا۔ اور اس کی فضیلت کے بیان میں قرآن شریف کا نازل ہوتا ہی کافی ہے اور کسی فضیلت کے بیان کی حاجت نہیں۔ اور چونکہ رمضان اور قرآن میں مناسبت ہے اسی لئے اعلیٰ درجہ کی عبادت اس ماہ میں تلاوت قرآن تجویز کی جاتی ہے۔

اور تلاوت قرآن کی طرف اس ماہ میں میلان بھی زیادہ ہوتا ہے اسی لئے میں اپنے احباب کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ قرآن کی تلاوت کو اس ماہ میں دوسری عبادات پر غالب رکھیں۔ اور اس لئے میں نے طالبین کو اس ماہ میں کچھ بتلاتا نہیں۔ جی یوں چاہتا ہے کہ اس ماہ میں تلاوت کو غالب رکھیں اور اس تجویز کی اس سے تقویت ہوتی ہے۔

چنانچہ جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کے ساتھ رمضان میں قرآن کا دور کرتے تھے اور وفات کے سال دو دفعہ دور ہوا ہے۔ صحابہ کا اور امت کا یہی عمل رہا ہے کہ رمضان میں ختمات قرآن کا خاص اہتمام کیا ہے (۱) علماء کا بھی یہی قول ہے کہ اس ماہ میں تراویح میں ایک دفعہ کلام اللہ کے ختم کو سنت موکدہ کہا ہے۔ لیکن سنت اس وقت ہے کہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو، اور اگر مفسدہ ہو تو اس کو ترک کر دیں گے۔ مثلاً ٹھیکہ دار (۲) حافظ کے سوا اور کوئی نہیں ملتا ہو، چونکہ بعض جگہ اس سنت پر عمل کرنے سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے اس لئے وہاں اس سنت کو ترک کر دیں گے۔

(۱) رمضان میں حضرت عثمان بنی ایک قرآن روز پڑھتے تھے قرآن پاک کی سات منزلیں کثرت تلاوت پر دال ہیں کہ نام سنا چکا معمول سات روز میں ختم کا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن پاک تلاوت کرتے۔ ایک دن میں، ایک رات میں ایک تراویح میں (۲) ایسا حافظ جو پیسے لے کر قرآن سنائے اس سے بہتر سورۃ سے تراویح پڑھتا ہے

آجکل حافظ دو قسم کے ہیں، ایک تو بشرط شئی کے مرتبہ میں، یعنی کلام اللہ سنانے پر شرط کر لیں، یہ صورت تو جائز نہیں کیونکہ سنانے پر اجرت لینا حرام ہے، اس موقع پر سنت پر عمل چھوڑ دیں گے۔ اور دوسری شرط لاشے کے مرتبہ میں، یوں کہیں کہ ہم جب پڑھیں گے کہ تم ہمیں کچھ نہ دو۔ اور گواہی کہ احتمال لا بشرط شئی کا بھی ہے لیکن تتبع (۱) عرف سے اس کا مرجع بھی ان ہی دو قسم سے ایک قسم ہے اس لئے تقسیم واقعی ثنائی (۲) ہی رہی۔ گو عقلی ثنائی (۳) ہے۔ بہر حال اگر حافظ بشرط لاشے مل جاوے (۴) تو کلام اللہ سنانے میں کاہلی نہ کرے بلکہ سننے کیلئے مستعد ہونا چاہئے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ لوگ دنیا کے واسطے کتنی محنت کرتے ہیں اس کے مقابلے میں یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ مگر بے رغبتی کی یہ حالت ہے کہ بعض کو تراویح ہی میں نیند آتی ہے سو اس کا علاج کرنا چاہئے۔ آسان علاج ایک تو یہ ہے سیاہ مرچ کھاو اس سے نیند جاتی رہے گی اور سیاہ مرچ نافع (۵) بھی ہے البتہ لال مرچ نخر (۶) ہے۔

اس کے مضر ہونے پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک بزرگ دماغ سے معذور تھے۔ جب ان کے سامنے مسلمانوں کی کسی قسم کی خرابیوں کا ذکر ہوتا تو یوں فرماتے کہ یہ سب فساد مرچوں کا ہے جو بات بھی ہوتی یہی فرمادیتے۔ ایک شخص کہنے لگے کہ کیا بے جوڑ بات ہے۔ میں نے ہنس کر کہا کہ بڑی جوڑ دار ہے اس طرح سے کہ مرچوں سے کھانا مزہ دار ہو جاتا ہے اور بوجہ مزیدار ہونے کے کھایا بہت جاتا ہے اور زیادہ

(۱) عرف میں غور کرنے سے یہ بھی ان ہی کی شکلوں میں شامل ہے۔ (۲) دو قسم کی ہی تقسیم (۳) اگرچہ عقلاً تین قسم ہے (۴) یعنی ایسا حافظ جو یہ شرط لگائے کہ میں جب سناؤں گا کہ تم مجھے کچھ نہ دو گے (۵) فائدہ مند (۶) نقصان دہ

کھانے سے قوت بھیمہ (۱) میں ترقی ہوتی ہے اور وہ باعث ہوتی ہے فساد کا۔ ہم تو بزرگوں کے قول کی تاویل کریں گے گو وہ بزرگ کیسے ہی ہوں۔

خیر یہ تو ہنسی کی بات تھی باقی نیند کا اصل علاج یہ ہے کہ پانی کم پیو۔ ستر ایل مجاہدہ کا قول ہے کہ نیند کا مادہ پانی سے ہے۔ اس کو امام غزالی نے لکھا ہے۔ پھر بھی اگر نیند زیادہ آوے تو سیاہ مرچ چبا لو آخر خدا تعالیٰ سے کچھ لینا بھی ہے یا نہیں۔

حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ایطمع کل امرئ منہم ان یدخل جنة نعیم۔ کلا (۲) کیا ہر شخص اس کی طمع رکھتا ہے کہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جاوے ایسا ہرگز نہیں، یعنی بدوں (۳) کیے کچھ نہ ملے گا۔ پہلے اعمال کے ذریعہ سے جنت کے قابل تو بنو۔ بدوں اعمال کیے کیا منہ جنت کے لینے کا؟ پس رمضان میں ہمت کر کے ایک قرآن تو سن ہی لو۔ بہر حال سنت ہے، آثار سے، بزرگوں کے معمولات سے، ذوق سے ثابت ہوتا ہے اس ماہ میں قرآن کی تلاوت خاص درجہ میں مطلوب ہے۔

### شفاعت روزہ

یہ دوسری تقریر ہے اس کا نام ”القرآن فی رمضان“ رکھنا مناسب ہے۔ دونوں تقریروں میں مناسبت بھی ہے کہ پہلی تقریر میں رمضان کی فضیلت کا بیان تھا اور اس میں قرآن کا بیان ہے جس میں ایک وجہ تو مناسبت کی یہ ہے کہ قرآن کا نزول رمضان شریف میں ہوا ہے۔ دوسرے نص حدیث شریف۔ قرآن شریف اور روزہ دونوں قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ رمضان کہے گا میں نے اس کو پیسا سا رکھا

(۱) بیوانی قوت میں (۲) المعارج ۳۹، ۴۸ (۳) بغیر اعمال

تھا اس واسطے اس شخص کو بخش دیجیے۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو جگایا تھا اس لئے میری شفاعت قبول فرمائے۔

پھر لفظ رمضان کو ان ایام صیام (۱) سے لفظی مناسبت بھی ہے کہ ”رمض“ سخت گرمی کو کہتے ہیں۔ اصل وجہ تو اس کی یہ ہوئی تھی کہ جب مہینوں کے نام تجویز ہوئے تھے تو ان ایام میں سخت گرمی تھی اس لئے اس کا نام رمضان رکھا۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان ایام میں عبادت ایسی مقرر کی کہ اگرچہ سردی ہی ہوتی ہے بہ نسبت اور ایام (۲) کے اس میں کچھ تو تپش (۳) ہوتی رہی ہے، یعنی بھوک کی یا پیاس کی تپش۔ یہاں دوسری تقریر ختم ہوئی۔

### عبادت شب قدر

اب تیسری تقریر رہ گئی اس میں شب قدر کا بیان ہے اس کو تقریر بالا سے مناسبت یہ ہے کہ رمضان شریف میں قرآن نازل ہوا۔ اسی طرح لیلۃ القدر میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تو یہ ارشاد ہے شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (۴) اور دوسری جگہ یہ ارشاد ہے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر (۵) اور لیلۃ القدر کا رمضان میں ہونا نصوص حدیث سے ثابت ہے۔

لہذا دوسری اور تیسری تقریر میں بھی پوری مناسبت ہو گئی۔ اب شب قدر کے متعلق بعض ضروری باتیں بیان کرتا ہوں کہ ایک یہ کہ آجکل اکثر لوگ یہ پوچھا کرتے ہیں کہ شب قدر میں کیا عبادت کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دن کو تو زیادہ تلاوت میں صرف کرے۔ تدبر (۶) سے

(۱) روزے کے دنوں سے (۲) اور دنوں کے (۳) نری (۴) البقرۃ آیت ۱۸۵ (۵) سورۃ القدر آیت (۶) مگر سے



تلاوت کرے اور اگر تجویذ نہ آتی ہو تو کم از کم بقدر ضرورت اس کو سیکھ لے۔ اور رات کو بھی حق تلاوت ادا کرے اور لیلة القدر میں زیادہ جاگے۔ کچھ تلاوت کچھ نوافل میں مشغول رہے۔ اور دس دن اعتکاف کی مشروعیت (۱) میں یہ بھی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ شب قدر کا جاگنا نصیب ہو، کیونکہ اعتکاف مسجد میں ہوگا اور جب یہ مسجد میں پڑا رہے گا تو کوئی تو اٹھے ہی گا، اس کو بھی توفیق ہو جاوے گی۔

پھر یہ ایک لطیفہ رحمت دیکھئے کہ اللہ میاں نے اعتکاف کے دس دن متعین کر دیے ہیں اور لیلة القدر کی پانچ راتیں۔ جن میں ایک ایک دن کا ہر دو رات کے بیچ میں فاصلہ بھی کر دیا تاکہ آسانی ہو جاگنے میں۔ جو تکان ایک رات کے جاگنے سے ہو گیا ہے وہ ایک دن آرام سے جاتا رہے۔ آج اٹھارہ تاریخ ہے اور کوئی خبر اس کیخلاف اب تک نہیں ملی۔ پس جس مسجد میں جماعت ہوتی ہو اس میں بیس تاریخ یعنی برسوں کو غروب آفتاب سے پہلے اعتکاف کی نیت کر کے جا بیٹھے۔ اور چاند رات کو نکل آوے۔ اگر تیس کا چاند ہو تو دس دن پورے ہو جائیں گے اور اگر اسیس کا ہو تو گونہ تعداد میں نو دن ہوں گے مگر ثواب دس دن کا ملے گا۔

اس اعتکاف میں علاوہ اور حکمتوں کے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ان دنوں میں شب قدر نصیب ہو جاتی ہے۔ جس میں عبادت کرنا ایک ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے جو اسی سال سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اتنی تو عمر بھی شاذ و نادر (۲) ہوتی ہے۔ پس اسی بناء پر ایک شب قدر میں جاگنا ایسا ہی ہے گویا ساری عمر سے بھی زیادہ عبادت کی۔ جس کا مطلب دوسرے عنوان سے یہ ہوا کہ۔ ماری عمر بھی

(۱) شریعت میں دس دن کا اعتکاف مشرہ خیرہ میں سنت ہونے کی حکمت۔ (۲) کم کم ہی ہوتی ہے

عبادت کی اور مرنے کے بعد بھی کچھ دنوں عبادت کی۔ اتنا ثواب ہے اس رات میں عبادت کا۔ ایک رات کی عبادت تمام عمر کی عبادت سے بڑھ جاتی ہے تو ضرور اسکی کوشش کرے۔

### نیند کا علاج

اگر ساری رات نہ جاگ سکے اور نیند کا غلبہ ہو اور اکثر حصہ جاگ سکے تو بھی شب قدر کی فضیلت ملے گی۔ پس سستی نہ کرے اور نیند نہ آنے کی تدابیر کرے مثلاً یہ کہ رات کو کھانے پینے میں قدرے کمی کرے اور اگر پھر بھی ضرورت ہو تو کالی مرچ چبالے۔ اور جو بھی تدابیر نیند نہ آنے کی ہوں سب کرے اور اگر باوجود تدابیر میں کرنے کے پھر بھی نیند غالب ہو تو وہ نیند معتبر ہے یعنی پھر سو رہے۔ لیکن یہ نہیں کہ ذرا سی نیند آئی اور پڑا کر سو رہے اور نیند کے غلبہ کی صورت کو اس طرح سمجھو کہ ایک بڑھے کی حکایت ہے کہ وہ پڑا رہے تھے ”کریمائشائے برحالی ما“ (۱) اور نیند میں نکل رہا تھا ”اری ماں“ جب یہ نوبت آجاوے تو سو رہے۔ کیا لطف و رحمت ہے کہ ایک رات کی عبادت کو ہزار ماہ کی برابر قرار دیدیا اور پھر نیند کے غلبہ کا بھی اعتبار فرمایا۔ اور نیند کے غلبہ کی صورت میں اکثر حصہ رات کے جاگنے کو بھی فضیلت شب قدر کی مرحمت فرمائی۔

طوبیٰ لنا معشر الاسلام ان لنا من العناية رکننا غیر منہم (۲)

(۱) اے کریم میرے حال پر رحم فرما (۲) اے اہل اسلام ہمارے لئے یہ بات باعث خوشی ہے کہ ہمیں اللہ کی نام سے نجات حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں۔

## مقام ناز

ہمارے لئے بڑی بشارت ہے ہمارے پیغمبر ﷺ عنایت الہی کے رکن ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ میں ایک رحمت ہوں کہ تحفہ بنا کر مجھ کو بھیجا گیا ہے۔ اننا رحمة مہدات (۱) مگر ہماری وہ حالت ہے کہ کھائیں اور غرائیں اور پھر کہیں کہ لائیے ثواب، البتہ جن کا مقام ناز کا ہو اگر وہ کچھ کہہ دیں تو زیبا ہے۔ مگر ہر ایک کو ان کی نقل کرنے کا حق نہیں۔

نازراروئے بایہ نچوورد چوں نداری گرد بدخونی مگرد (۲)

اس مقام کو اصطلاح میں ادلال (۳) کہتے ہیں، جو ہر ایک کا مقام نہیں۔ جس کا مقام ادلال ہے ایسی باتیں کہنا ان کا مرتبہ ہے نہ کہ اہل اضلال (۴) کا۔ حضرت راہبہ بصریہ جن کا مرتبہ ناز کا تھا وہ حج کو گئیں، جب حج کر چکیں تو کہتی ہیں کہ میں ثواب کی ہر حالت میں مستحق ہوگئی، اگر حج قبول ہوا تب تو ظاہر ہے اور جو قبول نہیں ہوا تو بھی ثواب کی مستحق ہوں، کیونکہ یہ عاشق کیلئے بڑی سخت مصیبت ہے کہ وہ محبوب کی درگاہ میں آوے اور محروم واپس جاوے۔

ازرد دست چہ گویم بچہ عنوان رتم ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حراماں رتم (۵)

تو اس صورت میں تو میں مصیبت زدہ ہوں گی کہ میرا حج مردود ہو گیا۔ اور آپ نے مصیبت پر بھی اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ بہر حال ثواب دینا پڑے گا میں ٹلوں گی

(۱) میں تحفہ کے طور ہی گئی رحمت ہوں (۲) ناز کے لئے در والوں کا سا چہرہ چاہئے اگر تم وہ بھی نہیں رکھتے تو ناز کے قریب مت جاؤ (۳) ناز کرنا (۴) ناز کہ گمراہوں کا (۵) دوست کے دروازے سے کیا کیوں میں کیسے گیا بہر تن امید ہو کے آیا تھا اور اب بہر تن محروم ہو کر واپس جاتا ہوں۔

نہیں۔ اور جو اہل ناز نہ ہو تو اس کو تنبیہ کرتے ہیں۔

ناز را روئے باید بچو درد چوں نداری گرد بد خوئی مگرد  
پیش یوسف نازش و خوبی مکن جز نیاز و آہ یعقوبی مکن  
چوں تو یوسف نمستی یعقوب باش بچو رو باگریہ و آشوب باش (۱)

ایک درویش نے حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ کو دیکھ کر ناز کیا تھا حالانکہ اس کا مرتبہ ایسا نہ تھا۔ پھر دیکھئے اس کا کیا حشر ہوا؟ قصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ سلطنت کو ترک کر کے ایک جنگل میں پہنچے وہاں ایک درویش رہتا تھا، کہ اس کو غیب سے کھانا آتا تھا، اس نے خیال کیا کہ اگر یہ شخص یہاں ٹھہر گیا تو میرے کھانے میں کمی ہوگی، اس نے کہا یہاں ٹھہرنے کا حکم نہیں۔ جیسے موزنین (۲) کی اکثر عادت ہوتی ہے چنانچہ ہم جہاز میں عدن پہنچے۔ سیر کو جی چاہا اس لئے وہاں اترے۔ شب کو ہم ایک مسجد کے حجرہ کی چھت پر جا کر پڑے۔ موزن صاحب آئے اور کہا کہ نکلو یہاں سے۔ میں تو بولا نہیں اس خیال سے کہ بحث کی یہاں گنجائش نہیں، اور یہ خیال کیا کہ بے حیا بنے پڑے رہو کوئی نکالے گا نکل جائیں گے۔ ایک سندھی سوداگر بھی ہمراہ تھے جو عرب میں تجارت کیا کرتے تھے، وہ بولے ہم عرب ہیں اور ہمیشہ یہیں ٹھہرتے ہیں موزن نے ہم کو عرب ہی سمجھا۔ پھر تو کہنے لگا کہ یہاں لیئے ہو مسجد کے اندر قالین بچھے ہیں، ہو اسے حفاظت کا انتظام ہے، وہاں چلو، چنانچہ وہاں لے گیا اور خوب خاطر

(۱) ناز کے لئے دروہوں کا ساچرہ چاہئے اگر تم وہ بھی نہیں رکھتے تو ناز کے قریب مت جاؤ حضرت یوسف نایہ السلام کے سامنے ان کے ناز و حسن کی تعریف نہ کرو حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح نیاز مندی اور آہ و فغاناں کرتے رہو جب تم یوسف نہیں ہو تو یعقوب بن جاؤ رونے والوں کی صورت ہی بناؤ (۲) اذان دینے والوں کی

کی، اسی طرح وہ درویش چھپری والا گھبرا یا وہ بھی صاحب کرامت تھا اس کو غیب سے روٹی ملتی تھی۔ مگر وہ حالت غربت سے فقیر ہوا تھا اس کا وہی حوصلہ تھا وہ بڑبڑایا اور کہا کہ یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت ابراہیم ابن ادہمؑ نے فرمایا کہ میں روٹی نہیں مانگتا تب اس کو تسلی ہو گئی۔

جاہل پیروں کی بے اعتماد الیاں

مجھ کو تسلی ہونے پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک سچے بزرگ سے ایک گاؤں کے لوگ مرید ہو گئے۔ ان کے پہلے جو پیر آئے اور یہ قصہ معلوم ہوا تو ان بزرگ کی قوم کا نام ملے کہنے لگے کہ فلانی قوم میں بھی کہیں بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک دانشمند یہاں تہی بولا کہ یہ بات تو بزرگ جانتے ہوں گے کہ کس قوم کے بزرگ ہوتے ہیں، کس قوم کے نہیں ہوتے، مگر ایک بات تو وہ ہم سے فرما گئے ہیں کہ پہلے پیر کا حق بھی سمجھنا چاہئے۔ اس پر پیر صاحب کہنے لگے کہ خیر وہ بھی بزرگ آدمی ہیں۔ مجھ کو ایک جگہ جانے کا اتفاق ہوا وہاں قریب مقام میں ان لوگوں کے ایک پیر تھے ان کو خیال ہوا کہ شاید واعظ یہ میری جڑ کاٹیں گے۔ وہ خود بھی وہاں آئے اور ایک مولوی صاحب کو بھی اپنے ساتھ لائے کہ شاید بحث کی نوبت آئے تو ان کو مقابل بنا دیں گے۔

آخر واعظ ہوا تو میں نے بیان کیا کہ میں ایک کام کی بات بتاتا ہوں، کہ دین کی باتیں تو اہل علم سے پوچھو، اور ان کو کوئی نذرانہ وغیرہ مت دو۔ اور مالی خدمت پیروں کی کرو، مگر دین کی باتیں پوچھنے کی تکلیف ان بزرگوں کو مت دیا کرو۔ پس مسائل کے لئے تو مولویوں کو رکھو اور خدمت کے لئے فقیروں کو۔ ان کو پریشان مت

کر وہاں ان کی خدمت کرو اور مولویوں کو ایک پیسہ مت دو۔ پیر صاحب خوش ہو گئے اور میرے خوب ہاتھ چومے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ جتنے بدعتی ہیں اگر ہم لوگ انکی مرضی کی تقریر کر دیں تو سب ہماری ہی کہنے لگیں کیونکہ ان کی سب بدعات کھانے کے لئے ہیں ورنہ اگر اس طرف سے یکسوئی ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائیں۔

بطور نمونہ کے ایک واقعہ لکھنؤ کا عرض کرتا ہوں۔ وہاں دستور ہے کہ الگ الگ کھانا رکھ کر اور مردوں کے ساتھ نامزد کر کے جدا جدا فاتحہ دلواتے ہیں کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچے اور اس کا فلاں کو۔ بعض نے مجھ سے کہا کہ علماء نہ معلوم جدا جدا فاتحہ کو کیوں منع کرتے ہیں میں نے کہا نہیں تم الگ الگ ہی دلو اور مگر فاتحہ دینے والے پیر جیوں کو کچھ مت دو۔ جب دیکھیں گے کہ فاتحہ تو بیس بار دینی پڑی اور ملا کچھ بھی نہیں۔ انشاء اللہ پہلے ہی دن وہ بھی کہنے لگیں گے کہ الگ الگ ضرورت نہیں ان قیدوں کی ضرورت نہیں یہ تو ساری روٹیوں کی باتیں ہیں۔ ایک مسجد کا قصہ ہے کہ وہاں ایک ملا رہتے تھے ایک روز ایک بڑھیا عورت روٹی لائی وہ وہاں اس وقت نہ تھے ایک مسافر تھا وہ روٹی اس کو دے دی ملا جی آئے اور ان کو قصہ معلوم ہوا انہوں نے سوچا کہ یہ تو بُرا راہ نکلا اس کی بندش اگر نہ ہوگی تو آئندہ جانے کیا ہو۔

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل چو پرشدن شاید گزشتن بہ میل (۱)

بس لائھی لے کر مسجد میں دوڑنا اور ادھر ادھر لائھیاں مارنا شروع کیا۔ بڑھیا نے بھی سنا اور تمام لوگ جمع ہو گئے یہاں تک کہ اخیر میں ملا جی بیہوش ہو کر گر گئے۔

(۱) جب چشمہ پھوٹا شروع ہو رہا تو سوئی سے بھی بند ہو سکتا ہے لیکن جب وہ بڑا ہو جائے تو باجی سے بھی اس کو بند نہیں کیا جاسکتا۔

لوگ کہنے لگے ملا جی کو کیا ہو گیا وہ بولے کہ میرے پاس مت آؤ میرا اس مسجد میں گزرنے نہیں ہوگا۔ لوگوں نے کہا آخر بات تو بتلاؤ کہنے لگے بات کیا بتلاؤں بات یہ ہے کہ میں تو یہاں کے سب مردوں کو جانتا ہوں میرے پاس جو کچھ آتا ہے سب کو مناسب طور پر ثواب بانٹ کر کھا لیتا تھا۔ وہ حصہ لے کر چلے جاتے تھے۔ آج اجنبی شخص کو کھانا پہنچنے پر مردوں کو کچھ ملا نہیں وہ سب مردے میرے سر ہو گئے میں بٹاتے بٹاتے تھک گیا تو ہر روز کہاں تک ان کا مقابلہ کروں گا۔ لوگوں نے کہا کہ بھائی تجھ کو ہی دیا کریں گے کہیں مت جا۔ پڑا رہ۔ صاحبو! لوگ ایسی استادیاں کرتے ہیں میوہوں نے سب کی جڑ کاٹ دی ہے اس لئے سب ان سے ناخوش ہیں۔

### ابراہیم بن ادھم پر اللہ کا انعام

خیر تو وہ درویش یہ سن کر میری روٹیوں میں سے نہ بانٹیں گے خوش ہو گیا اور حضرت ابراہیم بن ادھم کو جگہ ٹھہرنے کی دیدی کھانے کے وقت اس کے پاس معمولی روٹی سالن اور مٹی کے پیالے میں پانی آیا اور ان کے پاس غیب سے ایک خوان لگا ہوا آیا جس میں رنگا رنگ کے کھانے تھے تمام جنگل اس کی خوشبو سے مہک گیا۔ وہ درویش جانتا تھا کہ یہ ابراہیم بن ادھم ہیں جو ابھی سلطنت کو چھوڑ کر فقیر ہوئے ہیں۔ تو وہ حق تعالیٰ سے کہنے لگا کہ کیا یہی انصاف ہے؟ ہم تو اتنے دنوں کے خادم ہیں اتنی مدت مجاہدات میں گزری ہمیں تو معمولی روٹی اور سالن دیا جائے اور اس نے نہ ابھی زیادہ عبادت کی نہ مجاہدہ اور پھر یہ خاطر داری۔ وہاں سے حکم ہوا کہ بکو مت اپنی حیثیت یاد کر کہ تو کون تھا ایک گھس کھدا تھا اور اس کی حیثیت کو دیکھ کہ بادشاہت چھوڑ

کر آیا ہے اگر منظور نہیں تو فلاں درخت کی جڑ میں کھربا جالی رکھا ہوا ہے اس کو سنبال  
وہ درویش جو تیاں لگ کر سیدھے ہو گئے۔

غرض یہ ہے کہ ہر ایک کا منہ ناز کا نہیں۔ حضرت رابعہ کا منہ ناز کا تھا مگر جن  
کا منہ ناز کا نہیں وہ بھی بزبان حال ناز کر رہا ہے۔ کہ سوئیں یا جاگیں اجر لینے کو تیار البتہ  
اگر نیت جاگنے کی ہو اور عذر سے سو گئے تو پھر ہر حالت میں اجر ہے۔ پھر تو وہی بات  
ہے جیسے بعض ہندوؤں کا مقولہ ہے کہ مسلمان سب طرح مزہ میں ہیں۔ بڑھ جائیں تو  
امیر، گھٹ جائیں تو فقیر، مر گئے تو پیر۔ مسلمان ہر حال میں اچھا ہے۔ جاگتے  
اجر، سوتے اجر، سو یہ نیت کی برکت ہے مگر ارادہ تو جاگنے کا کر دیکر تدبیرات کے  
جاگنے کی اور یاد آئی کہ دن کو سو رہا کرو۔ اگر باوجود تدبیر کرنے کے پھر سو گئے تو اجر  
ملے گا غرض اپنی طرف سے کوشش کرو اور سمجھ لو کہ بدوں (۱) کئے کچھ نہیں ملتا۔ اب میں  
بیان کو ختم کرتا ہوں۔ یہ تین تقریریں ہیں اگر تین دفعہ بیان کرتا تو مبسوط (۲) ہوتیں  
مگر مختصر اُسب کچھ بیان کر دیا۔ اللہ میاں عمل کی توفیق دیں۔ اس اخیر تقریر کا نام  
یقہان فی رمضان (۳) مناسب معلوم ہوتا ہے اور مجموعہ کا نام مشائخ  
رمضان-----فقط

محمد اشرف علی (۱۸ شوال ۱۳۵۲ھ) (۴)

(۱) بغیر کیے (۲) مفصل (۳) رمضان میں شب بیدار (۴) الحمد للہ حضرت تھانوی کے بیان کر وہ اس وقت پر ۶۹ سال بعد اللہ  
پاک نے ان کے ربیب نواسے امیر ظلیل احمد تھانوی کو اس پر حاشیہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اللہ تعالیٰ میری اسی سنی توفیق  
فرمائے اور لوگوں کیلئے استفادہ کا باعث اور میرے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

ظلیل احمد تھانوی ۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ



